بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۰ ماہ دسمبر ۲۰۱۲ء مطابق محرم الحرام ۱۴۳۴ھ شمارہ نمبر ۱۲

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
١	نگاہ اولیں	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۹
۳	خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے ایک دوسرے کی جداگانہ شخصیتوں کو سمجھئے!	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۱۸
۴	علامہ شیخ صفی الدین ہندی	مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی	۳۴
۵	علماء ہند کی حدیثی خدمات میں ایک وقیع اور خوب صورت اضافہ	خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	۴۷

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جارہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
ا۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بک ڈپو طہ بک ڈپو الطاف بک ڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنہ (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زر تعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.180 خصوصی خریدار -/Rs.400

☆ سالانہ زر تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی) عمومی -/Rs.210

☆ سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.5000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: **Mr. RAZIUR RAHMAN**
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴، نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸ - یوپی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لیے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم پر سلام

لیکن یہ عشق اپنے خاص آداب رکھتا ہے ؎

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے عشق ہے کارِ شیشہ و آہن

مؤمن آزاد نہیں، کہ جو جی میں سمائے اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر معاملہ میں اُسوہ وطرزِ عمل چھوڑا ہے۔ اہانت کے معاملے بھی پے بہ پے آپ کی زندگی میں آئے۔ مکی زندگی ہی میں نہیں، مدنی زندگی میں بھی، اور آپؐ کے اور آپ کے اصحابؓ کے لئے بنیادی طور پر یہ ہدایتِ ربانی رہنما رہی:

> تم بالضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں، اور کتنی ہی دل آزار باتیں بھی تمہیں سننی پڑیں گی اہلِ کتاب اور مشرکین سے، اور اس کے مقابلہ میں اگر تم نے صبر اور تقوے کی روش سے کام لیا تو یہ یقیناً عزم وہمت کی بات ہے۔ (سورہ آلِ عمران/ ۱۸۶)

امکان ہو تو بدلہ لینے اور سزا دینے کا جواز اس آیت سے بھی نکل رہا ہے۔ لیکن ترجیح اسی کو مل رہی ہے کہ نظر انداز کیا جائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ اسی کے مطابق رہا۔ اور یہ اس لئے کہ آپ کے لائے ہوئے دین کی مصلحت وہاں یہی تھی۔ اور اس مصلحت سے بڑھ کر کوئی چیز ظاہر ہے کہ آپ کو عزیز نہیں ہو سکتی تھی۔ اس معاملہ میں مصلحت بینی کی حد یہ ہے کہ سردارِ منافقین عبداللہ بن اُبیّ جس کی شرارتوں اور

سازشوں سے آں حضور ﷺ کو شاید ہی مدنی زندگی کے کسی دن میں چین رہا ہو، مگر اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت آپ اس کے ساتھ حسنِ سلوک میں دیکھتے تھے تو اپنی ذاتِ پاک کے احساس سے بلند و بالاتر ہونے کا حال یہ رہا کہ اس کی موت پر آپ نے قمیصِ مبارک اس کے کفن کے لئے دی، اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن برائے برکت ٹپکایا اور نمازِ جنازہ، جو دعائے مغفرت کے ہم معنیٰ ہے، اس کے باوجود پڑھائی کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد نازل ہو چکا تھا کہ ''ان منافقین کے لئے تم اے نبی مغفرت مانگو یا نہ مانگو، اگر تم ستر (۷۰) بار بھی ان کے لئے مغفرت مانگو تب بھی اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔'' (التوبہ ۹/ ۸۰) حضرت عمرؓ نے، جو شدت کے مزاج میں معروف تھے، قرآن کی آیت آپ کو یاد بھی دلائی، تو فرمادیا کہ مجھے اللہ نے منع نہیں کیا ہے، مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ کروں یا نہ کروں۔ اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ ستر دفعہ سے زیادہ میں مغفرت ہوجائے گی تب میں زیادہ بھی کرتا۔ (گویا جانتے تھے کہ مغفرت نہیں ہونی) یہ ہے اس ذاتِ گرامی کا اسوۂ مبارکہ جس کے عشق کی بات یہاں گفتگو میں ہے۔ اس شخص نے کئی بار واجب القتل ہونے کے کام کئے، بعض مرتبہ تو لوگوں کو یقین ہوگیا کہ قتل کا حکم صادر ہوگا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اسلام اور امتِ مسلمہ کی مصلحت اسی میں دیکھی کہ درگذر سے کام لیا جائے۔ کیا شان اس پیغمبرِ اعظم ﷺ کی رفعت وعظمت کی ہے! **اللّٰھم صلِّ و سلِّم علیٰ عبدک و نبیّک صلوٰۃً وّ سلامًا دائمینِ متلازمَینِ الیٰ یومِ الدین۔**

پس جب رسولِ خدا ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے تو دشمنانِ انسانیت کی طرف سے جب بھی آپ کی اہانت کی کوئی صورت رونما ہو، جیسا کہ ادھر چند سال سے فرزندانِ مغرب نے اس ملعون عمل کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے، تو ہمارا غم وغصہ تو ایمان کی علامت ہے۔ لیکن ردِعمل میں ہمیں اسلام اور ملتِ اسلام کی مصلحت دیکھنی ہے اگر ہم مؤمن اور واقعی ''عاشقِ رسول'' ہیں۔ نہیں تو ہم صرف اپنے نفس کو تسکین دینے والے ہوں گے، اور نامِ عشق کو رسوا کرنے والے،

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ایک نوجوان نے ڈنمارک میں حبِّ رسول ﷺ کے حوالہ سے اپنی جان کو کھلے خطرہ میں ڈال کر وہاں کے ایک ملعون فلم ڈائریکٹر کا کام تمام کردیا۔ لیکن اس کا بھی کوئی اثر شیطان کے لشکر پر نہیں ہوا ہے، چہ جائیکہ ہمارے محض مظاہرے اور نعرے۔ آئے دن کسی مغربی ملک میں ایک ملعون اُٹھ رہا ہے اور اپنے سے پہلے والے سے بڑھ کر خباثت کی داد اپنے ہم وطنوں سے چاہ رہا ہے۔ تو کیا اپنے ردِعمل کی یہ بے اثری دیکھتے ہوئے بھی یہ بجا ہوگا کہ اپنے غم وغصہ کے اظہار کے لئے یہ بے اثر

طریقے مسلسل آزماتے رہنے کو ہم تقاضائے عشقِ رسول سمجھتے رہیں؟ یہ تو ملتِ اسلام کی بے بسی کا اظہار اور شیاطین کی ہمت افزائی ہے کہ وہ کچھ بھی کریں یہ چاردانگِ عالم میں پھیلی ہوئی امت اپنا سینہ پیٹ کر رہ جانے سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتی۔

آخر ہمیں کیوں کر اپنی اس شرمناک کمزوری کا رہ رہ کر اظہار کرنا پسند ہے؟ کہیں ہم اپنے اس احتجاجی عمل کو اس کے مؤثر ہونے نہ ہونے سے قطعِ نظر بجائے خود ایک کارِ ثواب تو نہیں سمجھ رہے ہیں؟ خدا نخواستہ اگر ایسا ہے، تو پھر ہم نے نہ حضور سید الرُسل کے مرتبہ ومنزلت کو سمجھا اور نہ آپ کی غلامی میں پوشیدہ عزت کو جانا۔ ہم آپ کے نام پر بے بسی کا اظہار کرتے مظاہروں اور جلوسوں کو کارِ ثواب سمجھ رہے ہیں! تفو برتو اے چرخِ گرداں تفو!

تو پھر ہم کیا کریں؟　یہ ایک مشکل سوال ہے، راقم اپنی سمجھ کے مطابق جواب عرض کرتا ہے جو ایک تجربہ کا نتیجہ ہے، دوسرے حضرات بھی غور کریں۔ برطانیہ میں کم لوگ ہوں گے جنھیں رشدی کی کتاب کے خلاف ''اسلامک ڈیفنس کونسل'' کی سرگرم جدوجہد یاد نہ ہو۔ راقم نے بھی اس کونسل کے کنوینر کی حیثیت سے اس سلسلہ میں اپنی پوری استطاعت بھر حصہ لینے کو عزت وسعادت سمجھا۔ کونسل نے اپنی جدوجہد کے سلسہ میں کتاب کے پبلیشر پینگوئن کے آفس کو نشانہ بنا کر ایک عوامی مارچ بھی طے کیا تھا۔ ۲۸؍جنوری ۱۹۸۹ء کا یہ مارچ، جس میں پورے ملک سے ۲۰۔۲۵ ہزار فرزندانِ اسلام نے آپ سے آپ شرکت کی، اس کی شکل اپنے روایتی احتجاج کی بے ثمری کو یاد کرتے ہوئے نیز مغرب کی ایک نئی دنیا کا خیال کرکے اپنے برّصغیر کے روایتی مظاہروں سے بالکل مختلف تجویز کی گئی تھی۔ اس میں نعرہ زنی اور اظہارِ غیظ وغضب کے بجائے پلے کارڈز کے ذریعہ اپنی جذباتی تکلیف کا اظہار کرکے گویا برطانوی پبلک سے ہمنوائی کی اخلاقی اپیل تھی۔ خیال تھا کہ شاید کچھ شریف روحیں ہماری ہم نوائی کو سامنے آئیں اور کتاب کے ناشر اور حکومت پر کچھ دباؤ پڑ سکے۔

ہمارے اس طرزِ احتجاج کی تحسین تو بیشک ہوئی، (خاص کر اس لئے کہ دو ہفتے پہلے انگلینڈ کے ایک شہر میں اس کے بالکل برعکس کتاب سوزی کی صورت میں احتجاج کا آتشیں واقعہ ہو چکا تھا) لیکن جو مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔ بات وہیں کی وہیں رہی۔ اور پھر دو ہفتہ بعد آیت اللہ خمینی صاحب نے جو مصنف اور ناشرین کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تو وہی حکومت جو انسانیت اور تہذیب واخلاق کے ناتے ہماری

اخلاقی اپیل سے کوئی اثر لینے کو تیار نہ ہوئی وہ رشدی کے تحفظ میں ایسی سرگرم ہوئی جیسے اس ملعون تصنیف میں وہ اس کا ایجنٹ ہو۔ اس تجربہ کے بعد سے ذہن بن گیا کہ یہ مغربی دنیا بالکل الگ ذہن ومزاج کی حامل ہے۔ اسے تو ہم بس کبھی طاقت نصیب ہو تب ہی اپنے احساسات کا احساس کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس ایک واقعہ کے بعد اب امریکہ، اسامہ اور طالبان کے قضئے سے تو اس شرارت کی لائن ہی لگ گئی ہے۔ اور ہر شرارت پہلی والی کو پیچھے چھوڑے جا رہی ہے۔ چنانچہ یہ تازہ فلم والی خباثت، جیسا کہ لوگ بتاتے ہیں، خباثت کی ساری ہی حدوں کو پار کر گئی ہے۔ اور کہیں کی بھی حکومت ہماری شکایت اور آہ وفغاں پر نوٹس لینے کو تیار نہیں ہے۔ مسلم حکومتوں کے اتحاد (او۔آئی۔سی) کی جانب سے ۱۹۹۹ء سے اقوامِ متحدہ میں کوشش ہو رہی ہے کہ ''آزادیٔ اظہار'' کے اس ننگِ انسانیت مغربی کلچر کو کچھ حدود وقیود کا پابند کیا جائے۔ لیکن مغربی حکومتیں کسی طرح اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دے رہیں (اس المیہ کا بڑا تفصیلی بیان ۲۵ ستمبر کے ''دی نیوز'' میں سابق پاکستانی سفیر محترمہ ملیحہ لودھی کے قلم سے نکلا ہوا موجود ہے)

یہ بالکل ایک صاف پاگل پن کیا مغرب میں حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین سے نفرت پیدا کرنے کے لائحۂ عمل کے طور پر اختیار کیا گیا ہے؟ جی نہیں۔ اس کام کے لئے پاگل پن کی ضرورت نہیں تھی نہ وہ مفید ہے۔ یہ ''پاگل پن'' اگر کوئی مقصد رکھتا ہے۔ اور یقیناً رکھتا ہے۔ تو وہ عالمِ اسلام میں نشأۃِ ثانیہ کے اٹھتے ہوئے آثار سے خوف زدہ ہو کر اس کا راستہ روکنا ہے۔ اس کا آغاز امریکہ نے 9/11 کے حوالہ سے ''دہشت پسندی کے خلاف جنگ'' (War on Terrorism) کا نام دے کر کیا، جسے بارہواں سال چل رہا ہے، اور جس کے ذریعہ وہ تمام قوتیں جنگی اسلحہ سے تباہ کر دینے کی مہم جاری ہے جنھیں امریکہ اس نشأتی لہر کا بازوئے شمشیر زن سمجھ رہا ہے۔ پھر اس آغاز کے چند سال بعد یہ اشتعال انگیز فلموں اور کارٹونوں کا سلسلہ اسی مہم کا دوسرا پارٹ ہے جس نے مسلم دنیا میں اشتعال انگیزی کا ایک مستقل سلسلہ قائم کر دیا ہے۔ ایک حرکت پر بات ٹھنڈی پڑتی ہے تو دوسری برآمد۔ جس کے نتیجہ میں ہمارے یہاں وہ تک ہو رہا ہے جو جمعۃ المبارک ۲۰ ستمبر کو پاکستان کے شہروں میں بصد رنج وقلق دیکھا گیا۔ یعنی ایک طرف اپنے ہاتھوں سے ملک کو ملینوں بلینوں کا نقصان، دوسری طرف اپنی پولیس کے ہاتھوں اپنی ہی بیسیوں لاشیں گرنا۔ اور پھر حکومت اور عوام کے درمیان جو دوری و بے اعتمادی ہمارے یہاں یونہی عام ہے، اس میں مزید تناؤ کا اضافہ۔ ایسے حالات میں نشأۃِ ثانیہ کا کہاں گذر؟ مزید ایک نتیجہ اس اشتعال انگیزی کا یہ

ہے کہ نوجوانوں میں مغرب، بالخصوص امریکہ، کے خلاف جو کچھ بھی ممکن ہو کر گزرنے کا جذبہ بالکل قدرتی طور سے پیدا ہوتا ہے۔ اور امریکہ کی نظر میں گویا نئے ''دہشت گرد'' پیدا ہوتے ہیں جن کا تعاقب اس کی ذمہ داری۔

کیا اس صورتِ حال کا تقاضہ یہ نہیں کہ ہم شدید جذباتی اذیّت کے باوجود مغرب کی ان اشتعال انگیزیوں کا نوٹس لینا اسی طرح بند کر دیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی اُسوۂ مبارکہ میں ہم دیکھتے ہیں؟ جب ہم ان شیاطین کا کچھ کر نہ سکیں تو کیا اسلام اور ملت کے نقطۂ نظر سے یہ بات زیادہ آبرومندانہ نہیں ہے کہ سورۂ آلِ عمران کی اوپر گزری آیت (''اور بالضرور تمہاری آزمائش اپنے مالوں اور جانوں میں ہونی ہے اور ضرور ایسا ہوگا کہ تم کو اہلِ کتاب اور مشرکین سے بڑی اذیّت ناک باتیں سننے کو ملیں۔ اور اس سب کا مقابلہ تم نے اگر صبر اور تقوے کی روش سے کیا تو یقیناً یہ عزم وہمت کی بات ہوگی۔'') پر عمل کیا جائے؟ اور غور کیجئے تو یہ قرآنی ہدایت دراصل ایسے ہی حالات کے لئے ہے جن سے ہم گزر رہے ہیں۔ یہی واحد صورت ان حالات میں ہے کہ اس شیطانی سلسلہ کا تار ٹوٹے۔ مغربی حکومتوں سے اس بات کی توقع کہ وہ آپ کے درد کو سمجھیں، بدقماشوں کو لگام دینے کے لئے کسی عالمی قانون کی منظوری پر راضی ہوں، جس کے لئے او۔آئی۔سی کی طرف سے کوششیں ہیں، اس توقع کی کیا گنجائش اس صورتِ حال میں ہے کہ یہ حکومتیں تو پاکستان کے قانونِ تحفظِ حرمتِ رسولؐ کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ جو لوگ آپ کے اپنے ملکوں میں بھی آپ کے حُرمات ومقدّسات کی بے حرمتی کی آزادی کے لئے بضد ہیں کیا ان سے یہ توقع بجا ہے کہ وہ اپنے یہاں تحفظ نافذ کریں گے؟

اس دن کے لئے انتظار اس دن کا کیجئے جب ہم آپ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضیات پر ڈھال کر اسلام کا گزرا ہوا دور واپس دیکھنے کے لائق ہو جائیں۔ اور وہ دور عشقِ رسول کے جھنڈے اُٹھانے اور نعرے لگانے سے نہیں، اللہ ورسولؐ کی مرضیات کے آگے بصد شوق سر جھکانے سے آئے گا۔ جو بلاشبہ اس وقت ہمارا حال نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ ہم جانتے نہ ہوں یا اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہوں ـــ اور اگر اس بات کی شرح درکار ہو تو ایک پیرِ دانا کی حکایت سن لیجئے:

گذشتہ صدی کے ہمارے نامور علماء میں سے مولانا سید مناظر احسن گیلانی (م۔۱۹۷۵ء) جن کو علم کے ساتھ اللہ نے عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے بھی خوب خوب نوازا تھا، دارالعلوم دیوبند میں اپنی

طالبعلمی کے احوال لکھتے ہوئے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (م ۱۹۲۰ء) کے درس کا ایک واقعہ سناتے ہیں: ''بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا۔ مشہور حدیث گذری کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے مال، بال بچے اور سارے انسانوں سے زیادہ میں اس کے لئے محبوب نہ ہو جاؤں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ''بحمد اللہ عام مسلمان بھی سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق محبت کی اس دولت سے سرفراز ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کر لیتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہلکی سی سبکی بھی مسلمانوں کو اس حد تک مشتعل کر دیتی ہے کہ ہوش حواس کھو بیٹھتے ہیں آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جان پر لوگ کھیل گئے ہیں۔'' یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ہوتا بے شک یہی ہے جو تم نے کہا۔ لیکن کیوں ہوتا ہے؟ تہ تک تمھاری نظر نہیں پہونچی، محبت کا اقتضاء یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے، لیکن عام مسلمانوں کا جو برتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضیٔ مبارک کے ساتھ ہے وہ بھی ہمارے تمھارے سامنے ہے۔ پیغمبرؐ نے ہم سے کیا چاہا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں، اس سے کون ناواقف ہے، پھر سبکی آپ کی جو مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے اس کی وجہ محبت تو نہیں ہوسکتی۔''

خاکسار نے عرض کیا کہ تو آپ ہی فرمائیں، اس کی صحیح وجہ کیا ہے؟ نفسیاتِ انسانی کے اس مبصرِ حاذق نے فرمایا کہ ''سوچو گے تو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سبکی میں اپنی سبکی کا غیر شعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی خودی اور انا مجروح ہوتی ہے۔ ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں تم اس کی اہانت نہیں کر سکتے۔ چوٹ درحقیقت اپنی اسی ''انانیت'' پر پڑتی ہے لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نے ان کو انتقام پر آمادہ کیا ہے۔ نفس کا یہ دھوکہ ہے۔۔۔۔۔ محبوب کی مرضی کی جسے پرواہ نہ ہو، اذان ہو رہی ہے اور لایعنی اور لاحاصل گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کر کے مؤذن کی پکار پر نہیں دوڑتا، اسے انصاف سے کام لینا چاہئے کہ محبت کا دعویٰ اس کے منہ پہ کس حد تک پھبتا ہے۔'' (احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، صفحہ ۱۵۳۔۱۵۴)

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّراطَ المستقیم صراطَ الَّذِینَ اَنْعَمتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْھِم وَلَا الضَّالین۔ اٰمین۔

☆☆☆

محفل (۱۲۱) سورۃ النساء (۲۶)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ

نبوتِ محمدی پر ایمان کی دعوتِ عام اور نصاریٰ کو حق کی خصوصی تفہیم
مسیح ابنِ مریم اللہ کے بندے اور رسول تھے اور بندگی کوئی عار ان کے لئے نہ تھی!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا
لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ
اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا
ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ
وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ
يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۤئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ
وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ

اے لوگو تمھارے پاس رسول آ گیا ہے تمھارے رب کی طرف سے حق لیکر، پس ایمان (اُس پر) لاؤ، کہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ اور اگر تم انکار کرو (تو تم جانو) اس لیے کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ علم والا حکمت والا ہے (۱۷۰) غلو مت اپنے دین میں اے اہلِ کتاب کرو اور نہ کہو اللہ کے بارے میں کچھ بجز حق کے۔ مسیح عیسیٰ بنِ مریم تو بس اللہ کے رسول ہیں اور اس کا ایک کلمہ جو اس نے القاء کیا تھا مریم کی طرف اور ایک روح اس کی طرف سے (بھیجی گئی)۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر۔ اور نہ کہو کہ تین ہیں۔ باز آ جاؤ کہ اسی میں خیر تمہارے لئے ہے۔ بے شک اللہ معبودِ واحد ہے۔ پاک ہے وہ اس سے کہ کوئی اولاد اس کی ہو۔ اسی کا تو سب ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ (تنہا) کافی ہے کارسازی کو (۱۷۱)

مسیح ابنِ مریم کو ہرگز اس سے عار نہیں ہو سکتی کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ اس میں عار ملائکۂ مقربین کے لئے ہے۔ اور جو کوئی اس کی عبدیت سے عار کرے گا اور بڑائی جتائے گا، تو وہ ان سب کو اپنے حضور حاضر کرے گا (۱۷۲) پھر وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل انھوں نے کئے ہوں گے اُن کا پورا اجر انھیں دے گا اور مزید عنایت اپنے فضل سے فرمائے گا۔ اور وہ کہ جنھوں نے عار کھائی اور تکبر دکھایا ہوگا انھیں عذاب دے گا دردناک۔ اور نہ پائیں گے وہ اللہ کے آگے کسی کو اپنا دوست و مددگار (۱۷۳)

لوگو تمھارے پاس آ پہنچی ہے اللہ کی جانب سے ایک قطعی دلیل اور اتار دی ہے ہم نے تمھاری طرف کو ایک صاف روشنی (۱۷۴) پس جو ایمان لائیں اللہ پر اور مضبوط اُس کا رشتہ پکڑیں سو انھیں وہ داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور سیدھی راہ انھیں دکھائے گا اپنی طرف کی (۱۷۵)

ربطِ کلام

سورہ ختم سے آ لگی ہے، منافقین کے تذکرے سے یہود کا تذکرہ برابر نکلتا آ رہا تھا جو اہلِ کتاب ہونے کے باوجود سب سے بڑا اسلام مخالف محاذ مدینہ میں تھے۔ گزشتہ آیتوں میں ان پر نبوتِ محمدی کے سلسلے میں حجت تمام کی گئی۔ ان کی بات ختم ہوئی تو روئے سخن اہلِ کتاب کے دوسرے گروہ نصاریٰ کی طرف ہو گیا ہے۔ یہود سے گفتگو کا آغاز ان کو 'اہلِ کتاب' (یَسۡـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ) کے نام سے یاد کرکے ہی فرمایا گیا تھا۔ اور جس طرح اس گفتگو کے آغاز کے لئے 'اہلِ کتاب' کا وسیع تر عنوان تقاضائے حکمت ہوا تھا ایسے ہی یہاں آغازِ کلام یٰۤاَیُّهَا النَّاس کے عمومی عنوان سے ہو رہا ہے۔ اور حکمت اس کی بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ قرآن بنیادی طور پر پوری انسانیت کے لئے ہے۔ گروہوں سے الگ الگ خطاب ایک ناگزیر ضرورت ہر چند ہے مگر اپنی عمومیت کو اس میں چھپ جانے دینے کا روادار قرآن نہیں ہے۔ دوسری طرف یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کے لئے ضروری نہیں کہ جب بھی بولا جائے ساری دنیا ہی سے خطاب کی نیت ہو۔ چھوٹے سے مجمع اور گروہ کو بھی 'اے لوگو' سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ پس مخاطب یہاں وہی گروہ نصاریٰ ہے جس کے لئے آگے اھل الکتب کا عنوان آ رہا ہے۔ مگر یا ایھا الناس کے عمومی صیغے نے اس حقیقت کو تازہ کر دیا کہ قرآن کو خاص اہلِ کتاب ہی سے، جن کا ذکر دیر سے چلا آ رہا ہے، لینا دینا نہیں، تمام عالمِ انسانیت اس کا دائرۂ دعوت و خطاب ہے۔ اور سب کو ایک ہی دعوت (توحید) ہے۔

نصاریٰ کو حق کی تفہیم کا مرکزی نکتہ

ارشاد ہوا: اے لوگو ہمارا رسول تمھارے پاس حق کی دولت تم میں تقسیم کرنے کو آ پہنچا ہے۔ سو تمھاری بھلائی اس میں ہے کہ اُسے اور اس کی مانو، اور اگر بجائے اس راہِ خیر کے تم فیصلہ کفر کا کرتے ہو تو نہ اس (رسول) کا کچھ بگڑنا نہ اس کے معبودِ برحق کا، کہ آسمان و زمین کی پوری کائنات پر بادشاہی اسی معبودِ برحق کی ہے۔ اور وہ علم والا ہے کہ تمھارا کچھ اس سے چھپا نہیں رہ سکتا اور حکمت والا ہے، کہ گرفت اور سزا حکمت کے تقاضے کے ماتحت ہوتی ہے خواہ وہ دیر طلب ہو، نہ کہ غصہ اور گرمی کے زیر اثر۔ پس دیر ہونے سے دھوکے میں نہ پڑو اور رسول کا مذاق نہ بناؤ کہ کہاں ہے تمھارے رب کا وہ عذاب جس سے تم ڈراتے ہو؟ آگے "اے لوگو" کی عمومیت کا پردہ ہٹا کر صاف اہلِ کتاب کے عنوان سے خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے: لَا تَغۡلُوۡا فِيۡ دِيۡنِكُمۡ ---- اپنے دین میں غُلو نہ کرو۔ غلو کا لغوی مطلب، حد سے تجاوز، افراط اور زیادتی ہے۔ دینی گفتگو

میں یہ کلمہ آئے گا تو مطلب ہوگا کسی معاملے کی جو واقعی حقیقت اور درجہ و مرتبہ دین کے مسلّمہ ذرائع سے ثابت ہے اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ جوشِ عقیدت میں کر لیا جائے۔

نصاریٰ کے غلو کی حقیقت

نصاریٰ کا غلو کیا تھا اور کس معاملے میں تھا اس کا بیان یہاں مقصود نہیں، بلکہ جن کا معاملہ تھا ان کو مخاطب کر کے ان کی اصلاح مقصود ہے۔ اس لئے اس کا انداز عام بیان کا نہیں بلکہ اصلاحی گفتگو کا ہے۔ فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (اللہ کے بارے میں بجز حق اور واقعی حقیقت کے اپنی طرف سے کچھ گھڑ کے کہنے اور ماننے کا ارتکاب نہ کرو۔) اس کا مطلب ہوا کہ ان کے غلو کا کچھ تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں عقیدہ و خیال سے تھا۔ اور آگے کا جملہ "اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔۔۔ مزید ظاہر کرتا ہے کہ اس غلو کا رشتہ اللہ کی ذاتِ عالی کے علاوہ حضرت عیسیٰ مسیح سے بھی جڑتا تھا۔ اس سلسلے میں جو غلو انھوں نے اختیار کر لیا تھا اس کا اشارہ اسی جملے (اِنَّمَا الْمَسِيْحُ۔۔۔) سے ملتا ہے کہ "مسیح ابنِ مریم تو فقط اللہ کے رسول اور اس کا ایک کلمہ (حکمِ پیدائش کا) تھے جو اس نے مریم (ان کی ماں) کی طرف اِلقاء فرمایا اور اسی کی جانب سے ڈالی گئی ایک روح وہ تھے۔" یعنی ایک مخلوق اللہ کی تھے اور مرتبے میں بس رسول۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں جس سے ظاہر ہوا کہ وہ لوگ حضرت مسیح کو اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول نہیں بلکہ کچھ اور جانتے اور مانتے تھے اور وہ 'کچھ اور' وہ تھا جس کا اشارہ اگلے جملے میں آرہا ہے (یعنی تثلیث) فرمایا: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ (پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر، اور مت کہو کہ تین ہیں، باز آؤ کہ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔)

تثلیث کا گورکھ دھندا

نصاریٰ کا عقیدۂ "تثلیث" (Trinity) ایک معروف و مشہور شئ ہے، جیسے مسلمانوں کا عقیدۂ توحید (Unity)۔ "پس حضرت عیسیٰ مسیح کے بارے میں اُس غلو سے باز رہنے کی نصیحت فرما کر جس کی حقیقت تثلیث نکلی، توحید کی دعوت کے طور پر فرمایا گیا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر (یہ الفاظ عقیدۂ توحید ہی کی ایک تعبیر ہیں) اور عقیدۂ تثلیث سے باز آنے کی ہدایت کرتے ہوئے ارشاد ہوا "یہ مت کہو کہ تین ہیں"۔ اس 'تین' کے بارے میں عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے مختلف قول ہیں۔ زیادہ معروف و معتمد قول "باپ، بیٹا، روح القدس" کا ہے۔ کہ اللہ کی ہستی بحیثیت مجموعی ان

تین پر مشتمل ہے (The Unity of The Father, son & Holy Sprit)
پس ایک = تین، اور تین = ایک!

یہ عقیدہ ایک نمونہ ان عقائد کا ہے جنھیں انگریزی میں Dogmas کہتے ہیں، جس کا مطلب آکسفرڈ ڈکشنری کے مطابق ''ایسے عقاید جو بے دلیل وتشریح مانے جانے کے قابل سمجھے جاتے ہوں۔'' کیا شبہ کہ یہ باپ، بیٹا، روح القدس کا عقیدہ واقعۃً ایک ایسا ہی گورکھ دھندا ہے کہ اسے بس سمجھ کی چوں وچرا کے بغیر ہی مانا جا سکتا ہے۔ ورنہ تین اور ایک کہاں ملتے ہیں؟ اور اسی چیز نے عیسائی یورپ کو بالکل ملحد اور بے عقیدہ بنا ڈالا ہے۔ الغرض فرمایا گیا: اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۷۱﴾ (معبود تو بس اللہ ہی اکیلا ہے۔ پاک وہ اس سے ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، کہ وہ مالک اُس ہر چیز کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کافی وہ سب کے لئے کارسازی کو ہے۔ مسیح کی اور روح القدس کی ضرورت اس کے لئے نہیں۔

توحید کے بے پیچ دلائل

توحید کی یہ دعوت، تثلیث کے برخلاف اپنے اندر ہی اپنی دلیل بھی رکھتی ہے، اور بالکل صاف دلیل۔ دعوتِ توحید کے مذکورہ قرآنی فقرے میں ایک نہیں تین دلیلیں سمائی ہوئی ہیں۔ اوّلاً، سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ۔ یعنی یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اس لئے کہ اس سے یکتائی کی شان باقی نہیں رہتی۔ نیز اولاد والے کے لئے اولاد ایک کمزوری بن کر رہتی ہے، اور وہ کمزوریوں سے پاک۔ دوم: اگر کسی کو بیٹا بیٹی مانا جائے، تو بیٹا بیٹی نہ باپ کے مخلوق ہوتے ہیں نہ مملوک، کہ وہ تو ہم جنس ہوئے۔ جبکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ سارا عالم بلا استثناء اللہ کی ملک ہے، کہ وہی لاشریک خالق ہر وجود کا ہے۔ اور اس سے انکار کی جرأت کسی مشرک کے یہاں بھی نہیں ملتی۔ سوم: یہ کہ وہ کونسی کمی بحیثیت معبود اس کی ذات میں ہے جس کے لئے کسی اور کی شرکت کی طرف ذہن جائے؟ فرمایا: وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا۔ (اللہ بالکل کافی (مخلوق کی کارسازی کو ہے۔) وکیل وہ ہوتا ہے جس پر معاملات چھوڑ دئے جاتے ہیں کہ وہی سب سنبھالے گا۔ پس یہ تین دلیلیں دعوتِ توحید کے ایک فقرے میں سمائی ہوئی ہیں۔ توحید پر یہی استدلال سورۂ بنی اسرائیل (۱۷/۱۱۱) میں بایں الفاظ آتا ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

کہو کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے جو نہ اولاد رکھتا ہے، نہ کوئی شریک اس کا حکومت میں نہ کوئی اس کا مددگار کمزوری کے ناتے۔ پس بڑائی اس کی بولو جیسا اس کا حق ہے۔

نصاریٰ کی نفسیاتی گرہ اور قرآن کی حکمتِ کشود

نصاریٰ نے جس درجے کا غلو حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں اختیار کر لیا تھا اور جو نسل در نسل عقیدہ بنا آ رہا تھا، کیسے اس کے بعد ان کے لئے آسان ہوسکتا تھا کہ جو قرآن کہہ رہا ہے اسے عقیدہ بنالیں اور مسیح کو الوہیت کے تخت سے اُتار کے عبدیت کے فرش پہ لے آئیں، بظاہر اُن کے اسی کٹھن نفسیاتی مرحلے کے پیشِ نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ (مسیح کو ہرگز کوئی عار اس سے نہیں آ سکتی کہ وہ اللہ کا بندہ ٹھیرے۔) استنکاف کہتے ہیں کسی بات کو اپنی کسرِ شان سمجھ کر اس سے اباء کرنا، ناک بھوں چڑھانا۔ پھر اس بارے، میں حضرت مسیح کے ساتھ فرشتوں، اور مقرب ترین فرشتوں، کو شامل کر کے ان کا حال بھی یہی بتایا گیا کہ عبدیت میں کسی عار کا گزر اُن پر بھی نہیں۔ اس اضافے میں ایک پہلو تو نصاریٰ کے لئے مشکل بات کو کچھ اور آسان بنا دینے کا ہے، کہ ملائکہ ایک نورانی و آسمانی مخلوق ہوتے ہوئے، اور ان میں بھی تقرّبِ خاص کا مرتبہ رکھنے والے ہوتے ہوئے، جب عبدیت میں کسی عار کا احساس نہیں کرتے تو سوچنا لازم ہے کہ مسیح ہی کو کیوں عار ہونے لگی؟ دوسرا پہلو اِن کے شرک کے ساتھ ساتھ مشرکینِ کُفّار کے شرک پر بھی چوٹ لگا دینے کا اس میں ہے۔ حضرت مسیح کے ساتھ جو معاملہ نصاریٰ کے عقیدے کا ہے وہی فرشتوں کے ساتھ مشرکینِ کفار کا ہے، کہ انھیں وہ اللہ کی لاڈلی بیٹیاں مان کر انھیں کی پوجا پاٹ میں اپنی بندگی کی تسلی کر لیتے ہیں۔

اللہ کی بندگی میں عار جاننے والوں کا انجام

آگے ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ ۔۔۔ (اور جنھیں عار اس کی عبدیت سے ہو اور اپنی بڑائی وہ جتاتے ہوں، تو ان سب کو اللہ عنقریب اپنے حضور جمع کرے گا۔) اس جمع کرنے میں جس برے انجام کی طرف اشارہ ہے وہ از خود سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن از خود سمجھ میں آ جانے والے اس انجام کے ساتھ ایک اور عذاب بھی جو ان کے حصہ میں اس دن آنا ہے وہ آگے اس طرح کھولا جا رہا ہے کہ پہلے اُن

لوگوں کی خوش انجامی کا بیان ہے جو کفر واستکبار کے بجائے ایمان اور عبدیت کی راہ چلے۔ اور اس کے بعد ان کی بدانجامی کا۔ اس طرح دوسروں کا بہترین انجام سے نوازا جانا سامنے آنے سے اِن کا عذاب دوگونہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا جاتا ہے ''پھر وہ جو ایمان لائے ہوں گے اور نیک اعمال انھوں نے کئے ہوں گے انھیں اللہ ان کا پورا اجر مع اپنی طرف سے اضافے کے عطا فرمائے گا اور جنھوں نے عار کھائی اور تکبر جتایا ہوگا انھیں بڑے سخت عذاب میں وہ ڈالے گا۔ اور وہ پھر کسی غیر اللہ کو نہ پائیں گے کہ ان کا ولی ومددگار بنے۔'')

یہ نیکوں کے انجام کا بھی ساتھ ساتھ بیان صرف برائے بیان نہیں ہے، بلکہ معلوم ہے کہ حشر ساری مخلوق کا ایک ساتھ ہوگا۔ اچھے برے سب ایک دوسرے کا انجام دیکھیں گے۔

تکبر اور ایمان ایک دل میں نہیں رہ سکتے

ان دونوں گروہوں کے انجام کے تقابل سے ایک یہ نکتہ بھی نمایاں ہوتا ہے کہ تکبر اور ایمان جمع ہونے والی چیز نہیں ہیں۔ اسی کو حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: **لایدخلُ الجنّةَ مَنْ کانَ فی قَلْبِهٖ مِثقالُ ذَرّةٍ مِنْ کِبْرٍ** (ذرہ برابر بھی کبر وتکبر کسی کے دل میں ہوگا تو وہ جنت کی صورت نہ دیکھ سکے گا) البتہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ کبر ہے جو ایمانیات کی راہ میں کھڑا ہو جائے۔ حدیث میں بھی اس نکتے کی وضاحت ان الفاظ سے فرمادی گئی ہے کہ **الْکِبرُ بَطرُ الحقِ** (کبر کی حقیقت حق کی تحقیر وانکار ہے) پس جنت میں دخول سے کلیۃً مانع وہی کبر ہے جو حق کے مقابلے میں رونما ہو۔ یہ درجہ نہ ہو تو پھر وہ دوسرے بڑے گناہوں کی طرح ہے۔ واللہ اعلم

غلو کی ذہنیت عقل پر کیسا پردہ ڈالتی ہے!

یہ تمام گفتگو ''غلو'' کے ماتحت آئی ہے اور غلو، اللہ اس سے بچائے، وہ بلا ہے کہ دماغ اُلٹا کر دیتی ہے۔ قرآن نے نصاریٰ کو ان کے اس غلو پر ٹوکا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو انھوں نے خدا کی خدائی میں شریک ٹھیرا لیا تھا۔ اس تردید میں حضرت والا کی حقیقت بتائی گئی کہ ''مسیح عیسی بنِ مریم کا مرتبہ اور درجہ بس یہ ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اور اس کا ایک کلمہ (لفظ) ہیں جو اس نے مریم پر اِلقاء فرمایا اور اس کی جانب سے ایک روح۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین کا قول چھوڑ دو۔'' کلمہ سے کیا مراد ہے اور روح کا کیا مطلب؟ وہ کچھ بھی ہوا کرے، (اور اس کا بیان ابھی آئے گا) لیکن یہ الفاظ جب تثلیث کی تردید میں آ رہے ہیں تو ایسا کوئی مفہوم ان کا بہرحال نہیں ہوسکتا جس سے

عقیدۂ تثلیث کی تائید نکلتی ہو۔ مگر قرآن کے نزول سے لیکر آج تک اس غلوزدہ قوم میں ان الفاظ کا حوالہ اپنے عقیدے والی اس بات کی ایک قرآنی دلیل کے طور پر دیا جاتا آرہا ہے کہ عیسیٰ بشر نہیں تھے وہ اللہ کی الوہیت کا ہی ایک رُخ اس کا کلمہ ((Word) ہونے کے ناتے تھے۔ قرآن سے اس استدلال کو عقل کا مارا جانا نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

یہ بات کہ اِن الفاظ کا قرآنی مفہوم ہے کیا؟ تو خود قرآن ہی کی سابق سورہ (آلِ عمران) میں گزر چکا ہے: اِنَّ مَثَلَ عیسیٰ عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرابٍ ثُمَّ قالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُونَ (عیسیٰ کا معاملہ اللہ کے یہاں آدم کا جیسا ہے کہ اسے (آدم کو) مٹی سے بنایا اور پھر حکم اسے دیا کہ ہوجا (ایک زندہ ہستی) سو وہ ہوگیا۔ پس یہ آیتِ قرآنی متعیّن کررہی ہے کہ اس سورۂ نساء کے کَلِمَتُهٗ کا مطلب کلمۂ کُن ہے۔ اور فرق بس یہ ہوا ہے کہ یہاں آدم کا سا کوئی پُتلا نہیں بنایا گیا تھا بلکہ یہ کلمۂ کُن اپنی ایک بندی مریم پر اِلقاء فرمادیا گیا (جس کی صورت سورۂ مریم (۱۹) اور انبیآء (۲۱) اور سورۂ تحریم (۶۶) وغیرہ میں یہ آتی ہے کہ یہ القاء اپنے ایک فرشتے، جبریل علیہ السلام کے دم کے ذریعہ سیدہ مریم کے گریبان پر فرمایا گیا۔ دوسرا لفظ روحٌ مِّنْہ (اس کی جانب سے ایک روح) تو یہ اسی کَلِمَتُهٗ کی وضاحتی تعبیر بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ سورۂ انبیآء اور سورۂ تحریم میں صرف روح کا لفظ آیا ہے کہ بطنِ مریم میں روح پھونکی گئی ("وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا"۔ التحریم۔ ۱۲)۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کلمۂ کُن کی تاثیر سے پیدا ہونے والی روح مراد ہو۔ الغرض اس کا کوئی سوال نہیں کہ ان الفاظ کو کسی ایسے معنیٰ میں قرآن نے استعمال کیا ہو جس سے کسی طرح کی گنجائش عقیدۂ تثلیث اور اُلوہیتِ مسیح کی نکلتی ہو۔ مگر کیا کیجئے کہ غلو ایسی ہی بلا ہے کہ دل دماغ کی آنکھیں بند کردیتی ہے۔ اور یہ ہم خود مسلمانوں میں دیکھ رہے ہیں کہ بڑی بھاری تعداد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں ایسے ہی سراپا غلو خیالات کو روحِ دین سمجھنے پر بضد ہے، جبکہ قرآن اور حدیث دونوں اسے دین کے حق میں زہر بتارہے ہیں۔

دعوتِ حق کے اختتامی کلمات

یہ دعوتِ حق "یٰاَیُّھا النّاس" (اے لوگو) کے عمومی عنوان سے شروع ہوئی تھی، اب خاتمے میں بھی وہی عنوان لوٹ آیا ہے۔ فرمایا اے لوگو ایک قطعی دلیل تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس آپہنچی ہے اور ایک نورِ مبین ہم نے تمھاری طرف کو اُتار دیا ہے، پس جو لوگ ایمان اللہ پر لائیں گے اور مضبوط اُسے

تھامیں گے انھیں اللہ اپنی رحمت اور فضلِ خاص میں جگہ دے گا اور اپنی طرف کو سیدھی راہ انھیں دکھائے گا۔"

برہان اور نورِ مبین دونوں سے مراد قرآنِ مجید بھی ہوسکتا ہے۔ اور مفسرین اس طرف گئے ہیں۔ نیز یہ بھی کہ برہان سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک اور نورِ مبین صفتِ قرآن۔ پہلی صورت میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، کہ دلیل کے طلبگاروں کیلئے قرآن حجت تمام کردینے والی دلیل بھی ہے، اور جن کے دلوں میں راہِ ہدایت کی فطری جستجو کا بیج صحیح سالم رہا انھیں دور سے پہچان میں آجانے والی روشنی (هُدًى لِلْمُتَّقِين) بھی۔ دوسری صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی دلیل اور حجت ہے، اپنی گفتار سے، اپنے کردار سے اور کتابِ زندگی کے ہر ہر باب سے، حتّٰی کہ اپنے اصحاب وانصار سے! (تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا۔ (الفتح، ۲۹/۴۸)

صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیٰ مَن اتّبعھُم بإحسانٍ الیٰ یومِ الدین!

☆☆☆

حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کی اہلیہ مکرمہ کا انتقال:

۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ (۲۸/اکتوبر ۲۰۱۲ء) کی صبح حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری (مدظلہ) کی اہلیہ اپنے مالک حقیقی سے جاملیں، اسی شام جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڈھ میں ان کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ نے پڑھائی، جو شدید ضعف ونقاہت کے باوجود تکیہ (رائے بریلی) سے سفر کرکے نماز جنازہ میں شرکت اور مولانا محترم اوران کے متعلقین کی تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تھے —— مرحومہ عبادت اور خدمت کا بڑا ذوق رکھتی تھیں، اور گھریلو خواتین کی دیرینہ اقدار وروایات سے ان کی وابستگی مثالی بتائی جاتی ہے —— خانوادۂ نعمانی اور ادارۂ الفرقان مولانا محترم اوران کے تمام متعلقین سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور قارئین سے دعاؤں کی اور ایصال ثواب کے اہتمام کی گذارش کرتا ہے۔

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے ایک دوسرے کی جداگانہ شخصیتوں کو سمجھئے!

حمد وصلوٰۃ کے بعد!

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

اسلامی احکام فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں

دینِ اسلام دینِ فطرت ہے، اس کی ساری تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں، اللہ رب العزت نے مرد اور عورت کو ہر وہ نعمتیں دی ہیں جو اس کے فرض منصبی کے لئے ضروری تھیں۔ آپ غور کریں کہ شیر کو اللہ نے ایسے دانت دئے ہوتے ہیں جن سے اس کے لئے گوشت کھانا آسان ہوتا ہے، گائے اور بھینس کو اللہ نے ایسے دانت دئے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے چارہ کھانا آسان ہوتا ہے، اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے دانت دئے کہ اس میں گائے کے دانتوں سے بھی مشابہت ہے اور شیر کے دانتوں سے بھی مشابہت ہے، چنانچہ انسان سبزی بھی کھاتا ہے، گوشت بھی کھاتا ہے۔ پھر جسموں کی بناوٹ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس کی جو ضرورت تھی اللہ نے اس کے مطابق ہی اس کے جسموں کی بناوٹ کی۔

مرد اور عورت کی شخصیت میں فرق

اسی طرح مرد اور عورت دو الگ الگ شخصیتیں ہیں، مرد کو اللہ رب العزت نے گھر کے باہر کی ذمہ

داریوں کو پورا کرنے کے لئے پیدا کیا اور عورت کا دائرۂ کار گھر کے اندر بنایا، اس لئے دونوں کے جسموں کی ساخت بھی اسی کے مطابق بنائی گئی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جو مشینیں Outdore (کھلی جگہ کے لئے) ڈیزائن ہوتی ہیں وہ زیادہ مضبوط ہوتی ہیں، بارش کے پانی سے بچنے کے لئے اس کی خاص ڈیزائن بنائی جاتی ہے تو اس مشین کے اوپر ہوا، پانی اور دھوپ اثر نہیں کر پاتی، اور اگر وہی مشین کسی عمارت کے اندر لگنی ہو تو پھر انجینئر اس کا ڈیزائن مختلف قسم کا بناتے ہیں، وہ اس طرح بنتی ہے کہ اب اس کو اتنے Protection (بچاؤ) کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے مرد کو ایسی جسمانیت عطا کی جو اس کے بیرونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھی، اور عورت کو ایسی جسمانیت عطا کی جو اندرون خانہ تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھی۔

پرسکون زندگی کے لئے ایک دوسرے کے مزاج کی رعایت کی اہمیت

احادیث مبارکہ سے اس کے اشارے ملتے ہیں اور ماہرین نفسیات نے اس کے اوپر سیکڑوں سال محنت کی کہ مرد اور عورت کی شخصیتوں میں یکسانیت کہاں ہے، اور اختلاف کہاں ہے۔ لاکھوں انسانوں کے انٹرویو لئے، ان کی زندگیوں کو Study کیا اور پھر اپنے تجربات کی روشنی میں انھوں نے کچھ اصول نکالے، اگر ہمیں یہ باتیں اچھی طرح معلوم ہوجائیں کہ مرد کی شخصیت کیا ہوتی ہے تو عورت کے لئے مرد کے ساتھ رہنا آسان ہوجائے گا اور مرد کو پتہ چل جائے کہ عورت کی شخصیت کیا ہوتی ہے تو مرد کے لئے عورت سے ڈیل کرنا (ساتھ نباہنا) آسان ہوجائے گا، ہم چونکہ ایک دوسرے کی تفصیلات کو نہیں سمجھتے اس لئے dealing (ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرنے) میں ایسی کوتاہیاں اور غلطیاں ہم کر لیتے ہیں کہ آپس میں الجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے، گھروں کے اندر لڑائیاں بعض اوقات اس لئے ہوتی ہیں کہ دونوں میں سے کوئی نہ کوئی بڑی غلطی کر رہا ہوتا ہے، خاوند بیوی کے بجائے کسی غیر عورت میں envolve (لگا ہوا) ہوتا ہے، بیوی خاوند کے بجائے کسی اور طرف متوجہ ہوتی ہے، ہم نے تو یہ بھی دیکھا کہ میاں بیوی دونوں نیک ہیں، دونوں لکھے پڑھے ہیں اور دونوں دین دار، ذکر کرنے والے، جماعت میں جانے والے، علم پڑھنے والے ہیں، تہجد بھی قضا نہیں ہوتی ہے، پاکیزگی بھی زندگیوں میں ہے مگر پھر بھی ایک دوسرے سے الجھتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق طبائع سے ہے، کہ ایک دوسرے کے ساتھ کیسے رہنا سہنا ہے یہ کسی نے نہیں سمجھا یا ہوتا ہے، اس لئے آج کے اس بیان میں اس نکتے کو کھولا جائے گا کہ مرد کی شخصیت کیا ہوتی ہے اور

عورت کی شخصیت کیا ہوتی ہے، تا کہ آئندہ بیانات میں یہ بتایا جائے کہ مرد اور عورت کی کیا ضروریات ہیں۔

مرد وعورت کی زندگی کا مقصد

اللہ رب العزت نے مرد کو خلافت ارضی پیدا کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا۔ اللہ کی زمین پر اور اللہ کے بندوں پر اللہ کے قانون کو لاگو کرنا یہ مرد کا مقصود زندگی ہے، Objective of life ہے۔ عورت کی زندگی کا مقصد اس مرد کی تسکین ہے کہ جس عظیم مقصد کے لئے دنیا میں انسان کو بھیجا گیا ہے اس کی زندگی کی کمی کو پورا کرے۔ چنانچہ فرمایا ''وَ جَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ إِلَيۡهَا'' ہم نے حضرت حوا کو پیدا کیا تا کہ آدمؑ اس سے سکون پا سکیں، اس سے تسکین حاصل کریں، پتہ چلا کہ مرد کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے آدمؑ کی پسلی سے اماں حوا کو پیدا کیا۔

مرد اور عورت میں فطری اختلافات کی چند مثالیں

چونکہ مرد کا مقصود اور تھا، عورت کا مقصود اور تھا، اس لئے اللہ رب العزت نے مرد کو قوت بدنی زیادہ عطا کی، اس کے muscles (اعصاب) کے اندر Strength (مضبوطی) زیادہ ہوتی ہے، مضبوط کمر ہوتی ہے، ہم نے تو دیکھا کہ کام کرنے والے لوگ اڑھائی من وزن کی بوری ایک ہاتھ سے اٹھاتے ہیں اور اس کو تین میٹر دور پھینک دیتے ہیں، اس کے بالمقابل اللہ نے عورتوں کو بدن کی نزاکت زیادہ عطا فرمائی، کہنے والے نے کہا:

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے　　　پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے

تو عورت کے جسم کی ساخت ہی اور طرح کی ہے۔ چنانچہ ایک کتاب میں پڑھا کہ جو ماڈل مس یونیورس بنی اس کے سر کا گھراؤ بڑا تھا اور اس کی کمر کا گھراؤ اس سے چھوٹا تھا، اب اتنی پتلی کمر پر تو دس کلو کا وزن بھی بہت ہوتا ہے، تو مرد کے جسم کی ساخت قوت کے ساتھ ہے، اور عورت کے جسم کی ساخت نزاکت کے ساتھ ہے، مرد کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط بنایا ہے، یہ سخت جان ہوتا ہے، مختلف حالات اور مختلف موسم میں یہ اپنی ذمہ داریوں کو اور ڈیوٹی کو نبھاتا ہے۔ عورت کی شخصیت میں اللہ رب العزت نے sophistication (نزاکت) رکھی ہوتی ہے، چنانچہ یہ گھر کے اندر رہنے کے لئے زیادہ موزوں ہے، مرد کو اللہ تعالیٰ نے وقار دیا ہوتا ہے، grace دی ہوتی ہے، آپ اگر شیر کو دیکھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ وہ بہت باوقار اور بارُعب لگتا ہے، آتے ہوئے ایک ہیبت ہوتی ہے، اسی طرح مرد کو بھی اللہ رب العزت نے ایسا ہی

بنایا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ عورتوں نے جب یوسفؑ کو دیکھا تو کہا: ''إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ'' یہ تو کوئی بہت کریم فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل اللہ نے عورت کو حسن عطا کیا، اس لئے قرآن مجید میں فرمایا: ''وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ'' تمہیں ان کا حسن پسند ہی کیوں نہ آجائے، تو عورت کے لئے حسن کا لفظ استعمال ہوا اور مرد کے لئے وقار کا لفظ استعمال ہوا، اسی لئے عورت کی شخصیت کے اندر نوک پلک کا معاملہ زیادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک کھیرے بیچنے والا شخص تھا، پتلے پتلے کھیرے تھے تو بیچنے کے لئے اس نے strategy (ترکیب) یہ بنائی کہ آواز لگانے لگا کہ لیلیٰ کی انگلیاں لے لو! اب لوگوں نے جب یہ صدا سنی تو انھوں نے خوب کھیرے خریدنے شروع کردئے، اس کے قریب میں ایک دوسرا بندہ ککڑی بیچ رہا تھا، یہ ککڑی ذرا پتلی بھی ہوتی ہے اور گول سی بھی ہوتی ہے، اس کو سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کو کیسے بیچوں، اس نے صدا لگانی شروع کردی کہ مجنوں کی پسلیاں لے لو، چنانچہ تھوڑی دیر میں ان دونوں کا سامان آسانی کے ساتھ بک گیا۔

مرد کا جسم اللہ نے ایسا بنایا ہے کہ اس کے لئے حرکتِ بدن لازمی ہوتی ہے، اس لئے کہ مرد کو گھوڑ سواری کرنی ہوتی ہے، گیم کھیلنے ہوتے ہیں، کشتی کرنی ہوتی ہے، اللہ کے راستے میں اسے اپنے بدن کو استعمال کرنا ہوتا ہے، اسی لئے اس کا cholesterol (چربی) کنٹرول کرنے کے لئے اس کو ورزش کرنی ضروری ہے۔ جب کہ اللہ نے عورت کا جسم ایسا بنایا کہ اس کو بہت زیادہ حرکت کرنے کی ضرورت نہیں، تھوڑی سی ایکسرسائز بھی اس کے cholesterol کو کنٹرول کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے، چنانچہ گھر میں کپڑے دھونا، آٹا گوندھنا، چکی پیسنا، اتنی ہی اکسرسائز اس کی زندگی کے لئے کافی رہتی ہے۔

پھر مرد کے اندر اللہ نے قوتِ برداشت زیادہ رکھی ہے، عموماً سخت مزاج ہوتا ہے، صدمے برداشت کرجاتا ہے، بڑے بڑے مشکل حالات میں سے نبھا کر جاتا ہے، حتی کہ قریب ترین کوئی عزیز فوت ہوجائے تو اپنے کندھوں پہ جنازہ اٹھا کر لے جاتا ہے، اور اس کو قبر میں اپنے ہاتھوں سے دفن کردیتا ہے۔ عورت کو اللہ نے قوتِ برداشت کم دی ہے، وہ نازک مزاج ہوتی ہے، دل کی پریشان ہوتی ہے، بالفرض اگر شریعت ماں کو حکم دیتی کہ تم اپنے بچوں کو خود دفن کیا کرو تو ہمارا تو یہ خیال ہے کہ ماں بیٹے کو دفن کرتے ہوئے خود بھی ساتھ ہی دفن ہوجاتی، تو قوتِ برداشت مرد میں زیادہ ہوتی ہے، عورت میں نسبتاً اس سے کم ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں ایک خاتون نے فون کیا، کہنے لگی کہ میں نے ابھی ایک ریسرچ پڑھی ہے کہ آج کل مردوں کی جو

(اوسط) average عمر ہے وہ تھوڑی ہے اور عورتوں کی اوسط عمر زیادہ ہے، تو کہنے لگی کہ حضرت! آپ بتا سکتے ہیں کہ عورتوں کی اوسط عمر زیادہ کیوں ہوتی ہے؟ میں نے کہا ہاں، کہنے لگی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ اس لئے کہ ان کی بیوی نہیں ہوتی۔

اللہ رب العزت نے مردوں کو رحمانیت کا مظہر بنایا ہے اور اللہ رب العزت نے عورت کو رحیمیت کا مظہر بنایا ہے، مرد کو دیکھیں تو رحمان کی صفت رکھی ہے، اس میں شفقت بھی ہوتی ہے، محبت بھی ہوتی ہے، مگر اولاد کی تربیت کے لئے مرد کو اللہ رب العزت نے ایک جلال بھی دیا ہے، اس لئے بچے ماں کو تو اللہ میاں کی گائے سمجھتے ہیں، مگر باپ سے جھجکتے ہیں، ماں کو اللہ رب العزت نے محبت اور پیار کا پتلا بنایا ہوتا ہے، اس دنیا میں اچھوں سے تو ہر کوئی محبت کرتا ہے، بروں سے محبت کرنے والی صرف ماں کی ذات ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ اگر بیٹا برا ہو جائے تو باپ بھی کہہ دیتا ہے کہ گھر سے نکل جا میں تیری شکل نہیں دیکھنا چاہتا، مگر کوئی ماں ایسی نہیں دیکھی جو اپنے بگڑے بیٹے کو یہ الفاظ کہے، وہ یہی کہے گی کہ یہ بگڑ گیا یہ اس کا نصیب تھا، میں تو ماں ہوں، میرا تو دل اس کے لئے تڑپتا ہے، تو مرد کو اللہ نے رحمانیت کا مظہر بنایا اور عورت کو اللہ رب العزت نے رحیمیت کا مظہر بنایا، اس لئے گھر کے اندر مرد کی حیثیت قوام (ذمّے دار) کی ہے، ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء '' عورت کی حیثیت اس کے معاون کی سی ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن مرد سے گھر کے ہر فرد کے بارے میں پوچھا جائے گا، عورت سے اس کے بچوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، تو دیکھیں دونوں کا محاسبہ الگ الگ ہوگا۔

مرد میں اللہ رب العزت نے قوت فیصلہ زیادہ رکھی ہوتی ہے، اس لئے decision making job (فیصلے لینے کا کام) وہ بڑی آسانی سے کر جاتا ہے، عورت کے اندر determination power (قوتِ فیصلہ) نسبتاً کم ہوتی ہے، risk لینے سے وہ ڈرتی ہے، اس لئے کہ اس میں قوت فیصلہ کم ہوتی ہے، فیصلہ کرنے کے لئے اس کو خاوند کی ضرورت پڑتی ہے۔

مرد کو اللہ رب العزت نے ایسی طبیعت دی کہ وہ یکساں کاموں سے بیزار ہو جاتا ہے، ایک جیسا کام اس کو دے دو تو اس کی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے، مگر عورت کو اللہ رب العزت نے ایسی طبیعت دی کہ یکساں کام بہت مزے سے کرتی رہتی ہے، اسی لئے دفتروں میں دیکھو تو سکریٹری کا کام اس کے ذمہ، اور جگہوں پر دیکھو تو اسی طرح کی یکسانیت والا کام ملے گا، ہم نے خود گھروں میں عورتوں کو دیکھا ہے کہ وہ بیٹھ

کے جرسی وغیرہ کی جو کڑھائیاں کرتی ہیں تو ایک طرح کی حرکت ہاتھوں سے کرتی رہتی ہیں، گھنٹوں کرتی رہتی ہیں، خود حیرت ہوتی ہے کہ اللہ نے کیسی طبیعت دی ہے کہ یہ آرام سے ہاتھوں سے ایک سیوٹر بُن لیتی ہے، اللہ اکبر! مرد کے لئے تو اس سے بڑی سزا شاید کوئی نہ ہو۔

اللہ رب العزت نے مرد کو ایسی عقل عطا فرمائی کہ وہ جذبات پہ حاوی ہوجاتا ہے، وہ اپنے جذبات کو کنٹرول رکھتے ہوئے بھی اپنی عقل سے اچھے فیصلے کرلیتا ہے۔ صلح حدیبیہ کی مثال دیکھ لیجئے، نبی علیہ السلام کے پاس ایک ہزار خدام ہیں اور سب نیزے، تیر اور تلوار کے ساتھ لیس ہیں، اس وقت معمولی سا اشارہ بھی کافی تھا، مگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھ کر کتنے نرم فیصلے کئے، یہ معراج ہے انسان کے determination power (قوتِ فیصلہ) کی کہ ایسے حالات کے باوجود بھی اتنے ٹھنڈے دل ودماغ سے فیصلے کرلیتا ہے۔ عورت کو اللہ رب العزت نے ایسی طبیعت دی کہ اس کے جذبات اس کی عقل پہ حاوی ہوجاتے ہیں، چنانچہ جب کسی سے محبت کرتی ہے تو اس کا دل چاہتا ہے کہ دنیا کے سب انسان مرجائیں بس یہ ایک بندہ زمین پہ چلتا نظر آئے، اور اگر نفرت کرتی ہے تو کہتی ہے کہ بس یہ تو ابھی روئے زمین سے زیر زمین چلا جائے۔ اسی لئے بعض بچیاں proposal (شریکِ حیات کے انتخاب) کے معاملہ میں دھوکہ کھاجاتی ہیں، وہ کسی لڑکے کی باتوں سے ایسی متاثر ہوجاتی ہیں کہ mismatch (بے جوڑ) قسم کی پرپوزل ہوتی ہے مگر ماں باپ سے ضد کرتی ہیں کہ نہیں یہی بہتر ہے، دھوکے کھاجاتی ہیں، جذبات غالب آجاتے ہیں، ٹھنڈے دل ودماغ سے نہیں سوچتیں کہ جس لڑکے کی طرف اس کا دل بری طرح مائل ہے نہ اس کی تعلیم ہے، نہ اس کی job (ملازمت) ہے، نہ اس کا گھرانہ اچھا ہے، ایک ہی بات پہ ضد کرتی ہیں کہ بس مجھے یہی کرنا ہے، پھر جب ہوجاتا ہے تو ساری عمر روتی بھی ہیں۔ یہ اس لئے کہ اس کے جذبات عام طور پر اس کی عقل پہ حاوی ہوتے ہیں۔ شاید اسی لئے شریعت نے اس کو ناقصات العقل کہا، ورنہ عورتیں تو اتنی ذہین ہوتی ہیں کہ آج کل تو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان کا ریزلٹ زیادہ بہ نسبت لڑکوں کے بہتر ہوتا ہے، تو اس لحاظ سے تو عقل کیکمی نہیں ہوتی، مگر جذبات ان پر غالب آجاتے ہیں، پھر وہ ناقص فیصلے کرجاتی ہیں، اس لئے وہ ناقصات العقل بن گئیں۔

اللہ رب العزت نے مرد کو ایسا بنایا کہ کہ اس میں غیرت زیادہ رکھی، چنانچہ جان مال عزت کی حفاظت کے لئے غیرت کا ہونا ضروری تھا، اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''السارق

والسارقۃ'' چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، یہاں مرد کو پہلے ذکر کیا کہ اس کو تو ہم نے غیرت دی ہوتی ہے اور چوری کرنا تو اس کی غیرت کے خلاف ہے، اس لئے اس کی چوری زیادہ بری ہے۔ عورت کو اللہ رب العزت نے حیاء زیادہ دی ہوتی ہے، چنانچہ قرآن مجید نے کہا: ''الزانیۃ والزانی'' زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد، زنا کا گناہ تو دونوں کے لئے ایک جیسا ہے، مگر فرمایا کہ عورت کو چونکہ ہم نے حیاء دی تھی اس کے باوجود اس نے یہ گناہ کیا تو یہ زیادہ برا ہے، اس لئے زانیہ کا نام پہلے لیا گیا۔

مرد کی طبیعت اللہ نے ایسی بنائی ہے کہ جب ضرورت اس کو محسوس ہوتی ہے تو یہ کام کے لئے motivate (ایک دم آمادہ) ہوجاتا ہے، آگ میں کود جاتا ہے، پہاڑوں سے چھلانگ لگالیتا ہے، سمندر میں اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے، motivation کے لئے lead (اقدام کی صلاحیت) ضروری ہے۔ اور عورت کی طبیعت ایسی ہے کہ جب اس کو care (کسی کی توجہ) ملتی ہے تو وہ motivate (آمادہ) ہوتی ہے عام طور پہ یہ بات مشہور ہے کہ جب عورت کسی پر مہربان ہوتی ہے تو اپنے آپ کو اس کے حوالے کردیتی ہے۔

مرد کو اللہ نے ایسی جسمانیت دی کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عبادت سے اس کو جنت ملے گی، اس لئے مردوں کی زندگیوں کو دیکھیں تو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنا، مراقبے، چلہ کشی، رات میں اللہ کی عبادت میں اٹھنا بکثرت ملے گا، اور حدیث پاک سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ اس بندے پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں جو تہجد کی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے جب کہ خوبصورت دل میں گھر کرنے والی بیوی اس کے پاس موجود ہوتی ہے۔ تو دیکھیں خوبصورت بیوی پاس موجود ہے لیکن اللہ کی محبت نے بندے کو مصلے پہ کھڑا کردیا، اللہ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ فرشتوں پر فخر فرمایا۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ بستر پر لیٹے ہوئے تھے، فرمایا: ''ذرینی أتعبد ربی'' عائشہ! چھوڑ میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، مصلے پر تلاوت فرمائی اور صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کی رم جھم برستی رہی۔

عورت کو اللہ رب العزت نے ایسا بنایا کہ لگتا ہے کہ اس کو اللہ رب العزت خدمت کے ذریعہ سے جنت عطا فرمائیں گے، چنانچہ اس میں اگر فرمانبرداری ہو، نیکوکاری ہو، پرہیزگاری ہو تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو عورت فرائض کو پورا کرنے والی ہو اور اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو جنت کے جس دروازے سے چاہے وہ جنت میں داخل ہوسکے گی، تو دیکھئے parameter (معیار) ہی اور ہے

مرد کو عبادت کے parameter (معیار) سے ناپا اور تولا جائے گا، عورت کو خدمت کے معیار سے ناپا اور تولا جائے گا۔ اس لئے مرد کے اندر مجاہدوں کی معراج ہوتی ہے، عورت کے اندر وفاؤں کی معراج ہوتی ہے، عورت زندگی میں دو آقاؤں کی فرمانبرداری کرتی ہے، ایک خاوند کی کہ وہ بھی اس کا آقا بنتا ہے اور ایک پروردگار کی جو حقیقی مالک وخالق ہے۔

مرد کی زندگی کے اعمال کو دیکھیں، نعمتیں ہوتی ہیں تو شکر کی جھلک نظر آتی ہے، نبی علیہ السلام نے بھی ارشاد فرمایا: ''أفلا أکون عبدا شکورا'' داؤدؑ نے فرمایا: ''رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ'' یہ سلیمانؑ نے فرمایا تھا، تو پتہ چلا کہ مرد کے اندر شکر کی جھلک ہوتی ہے۔

عورت کے اندر صبر کی جھلک ہوتی ہے، عورت کو دیکھئے بے چاری ماتحت ہے، بیٹی ہے تو باپ کے ماتحت ہے، بہن ہے تو بھائی کی مان کے چل رہی ہے، بیوی ہے تو خاوند کی مان کے چل رہی ہے، ساری عمر کسی کی ماتحتی میں گذرتی ہے۔ پھر بچوں کی پرورش تو مستقل ایک صبر آزما کام ہے، تو صبر ہی صبر کرنا پڑتا ہے۔ اس کی شخصیت کو دیکھو تو مہینے میں دس دن جو ایام ہوتے ہیں، اس میں بے چاری پریشان ہے، صبر کرنا پڑتا ہے، اسے ہدایت ہے کہ پردے میں رہو، اگر باہر نکل رہی ہے تو گرمی اور پسینہ کے باوجود اللہ کی بندی برقعے کے اندر ہے، گھر میں ہے تو چہار دیواری کے اندر قید کی زندگی گزار رہی ہے، اور یہ سب تنگی برداشت کر رہی ہے، تو عورت کی زندگی کو دیکھیں تو ہر طرف صبر ہی صبر نظر آئے گا۔ مرد کی زندگی کو دیکھیں تو آپ کو ہر طرف شکر کی جھلک نظر آئے گی، اس لئے اللہ نے مرد کی طبیعت ایسی بنائی کہ اس کے اندر goal achievement (اپنے مقصد کا حصول) important (اہم) ہوتی ہے، مرد جو اپنا ایک objective (مقصد) بنالیتا ہے اس کو ہر حال میں achieve (حاصل) کر کے دکھاتا ہے۔

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ یہ جو باتیں کی جارہی ہیں یہ جنرل ہیں عمومی طور پر، ورنہ ایسے بھی مرد ہوتے ہیں جن کی قوت ارادی کمزور ہوتی ہے، ایسے بھی مرد ہوتے ہیں جن کا بدن کمزور، عقل کمزور، مگر ایک عمومی بات اور ایک عام comparison (تقابل) جو قرآن وحدیث اور مختلف ماہر نفسیات کی اسٹڈیز سے سامنے آتا ہے اس کو سامنے رکھ کے عمومی بات کی جارہی ہے۔

چنانچہ مرد اگر کسی مقصد کو طے کرلے تو زندگی کی بازی لگالیتا ہے۔ وکیع الدین ابن مخلدؒ کی ۲۰ سال کی عمر ہے، اپنے گھر سے نکلے کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے پاس جا کر حدیث کا علم حاصل کروں گا، جہاز راستہ

بھٹک گیا، پیسے بھی ختم ہوگئے، کپڑے بھی میلے کچیلے ہوگئے، بیمار بھی ہوگئے، اس حال میں بغداد پہونچے کہ بہت زیادہ بیماری کا غلبہ تھا، کمزوری تھی، ایک کمرہ کرایہ پر لیا اور امام صاحب کے بارے میں پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبلؒ کو گھر میں قید کیا گیا ہے اور ان کے درس پر پابندی لگادی گئی ہے، اب یہ پریشان کہ میں تو ہزاروں میلوں کا سفر کرکے آیا ہوں اور میں تو اپنے شیخ سے احادیث مبارکہ پڑھ ہی نہیں سکتا؟ تو انھوں نے طریقہ یہ نکالا کہ فقیر کا بھیس اپنالیا، ہاتھ میں کشکول پکڑلیا، پھٹے پرانے کپڑے پہن لئے اور جب اپنے کمرے سے نکلے تو باہر نکل کر آواز لگانی شروع کردی کہ أجر کم علی اللہ اس زمانے میں فقیر پیسے کا سوال نہیں کرتے تھے، بس اتنا کہہ دیتے تھے کہ اجر کم علی اللہ تو دینے والے سمجھ جاتے تھے کہ ضرورت مند ہے تو وہ دے دیتے تھے، یہ صدا لگاتے لگاتے امام احمدؒ کے دروازے پر گئے، اونچی صدا لگائی، امام صاحب نکلے، وہ چاہتے تھے کہ کوئی درہم دینار اس کے کاسۂ گدائی میں ڈال دیں، اس وقت انھوں نے کہا کہ حضرت! میں مال کا سائل نہیں ہوں، میں حدیث کا طالب ہوں، اس لئے مجھے آپ حدیث پڑھایئے، حضرت نے فرمایا کہ میرے اوپر پابندی ہے، اگر پولیس مجھے اور تمہیں باتیں کرتے دیکھے گی تو ہم دونوں کو سزا ملے گی، کہنے لگے حضرت! میں نے یہ بھیس اسی لئے اپنایا کہ میں سارا دن شہر میں صدا لگاتا پھروں گا، ایسے وقت میں آپ کے دروازے پر پہنچوں گا کہ جب لوگ گلیوں میں کم ہوتے ہیں، آپ اسی پیسے کو لے کر دروازے پر آیئے گا، اگر کوئی بندہ نظر آجائے تو وہ پیسہ ڈال دیجئے گا، اور اگر کوئی نظر نہ آئے تو مجھے دو چار حدیثیں سنا دیجئے گا، میں سنتے ہی ان کو یاد کرلوں گا، میرے لئے اتنا سبق کافی ہے۔ ایک سال تک یہ بھیک مانگتے رہے اور اس حالت میں یہ اپنے استاذ سے روزانہ چند حدیثیں پڑھتے رہے۔ تو پتہ چلا کہ جب مرد ایک commitment (پختہ ارادہ) کرلیتا ہے تو پھر وہ goal achievement (اس چیز کو حاصل) کرکے دکھا دیتا ہے۔

عورت کی طبیعت اللہ نے ایسی بنائی کہ اس میں sharing (دوسروں کو شریک کرنے) کی عادت بہت ہوتی ہے، چنانچہ بتائے بغیر بات اس کے دل میں نہیں رہ سکتی، کیونکہ اس کو اللہ نے گھر میں وزیر بنایا ہے تو اب گھر کی ہر بڑی اور چھوٹی بات اپنے خاوند سے share (ظاہر) کرنا اپنی ضرورت سمجھتی ہے، اگر اللہ اس کو ایسا نہ بناتے تو یہ گھر کسی کا بساتی، اور من میں کسی کو بساتی، اس لئے اللہ نے طبیعت ایسی بنادی کہ یہ بے چاری بات رکھ نہیں سکتی۔ اس لئے دو عورتیں ملتی ہیں تو تھوڑی دیر میں یہ بھی بتادیتی ہیں کہ

میری گود میں کیا ہے اور یہ بھی بتا دیتی ہیں کہ میرے پیٹ میں کیا ہے، میرا خاوند ایسا، میری ساس ایسی، میری نند ایسی، پانچ منٹ میں ایسا حدود اربعہ کا نقشہ کھینچ دیتی ہیں کہ اگلے بندے کو summary مل جاتی ہے۔

اسی لئے جو عقل مند خاوند ہوتے ہیں وہ بیوی کی رپورٹ کو خود سن لیتے ہیں، تاکہ یہ کسی اور سے بات کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرے، مرد کو اللہ رب العزت نے ایسا بنایا کہ یہ کسی چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کو کرتا ہے، مثلاً کپڑے ہیں تو ضرورت کے مطابق پہنے گا، اس لئے مردوں میں یونیفارم ہوتی ہے، فوج کی یونیفارم، پولیس کی یونیفارم، کسٹم والوں کی یونیفارم، دفتروں میں دیکھو تو سب کی یونیفارم ہوتی ہے، یہ ان کی طبیعت کا اثر ہے۔ عورت کو دیکھو تو اس کے اندر اللہ نے novelty (نت نئی چیزوں کا شوق) بنائی ہوتی ہے، چنانچہ اس میں جدت ہوتی ہے، اب اس کو دیکھو تو ماشاء اللہ کیا فیشن، کیا ڈیزائن، کیا کلر میچنگ، سبحان اللہ کہنے والے نے کہا:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

یہ جو پکے مکان، خوبصورت فرنیچر، اچھی گاڑیاں، اچھے کپڑے ہیں، یہ سب عورت کی برکتیں ہیں، اگر عورت دنیا میں نہ ہوتی تو مجھے تو لگتا ہے کہ مرد کچے مکان بھی نہ بناتے، جھونپڑی میں ہی وہ گذارہ کرلیا کرتے، مرد کو اللہ رب العزت نے ایسی طبیعت دی کہ وہ breakdown maintenance (خرابی کو ٹھیک) کرتا ہے، جب کوئی چیز ٹوٹ جائے اب اس کو repair (مرمّت) کرنا، اس کو breakdown maintenance کہتے ہیں اور کسی چیز کو ٹوٹنے سے پہلے ٹھیک کرلینا اس کو preventive maintenance کہتے ہیں، تو عورت کی طبیعت میں حفظ ما تقدّم کی فکر ہوتی ہے، گھر کے کاموں میں آپ دیکھیں تو مرد ہاں ہاں کرتا رہے گا، جب چیز خراب ہوجائے گی تب محسوس کرے گا کہ ہاں قدم اٹھانا چاہئے، اور عورت کو دیکھو تو ماشاء اللہ گھر کی چیزوں کو خراب ہونے سے پہلے بدل لیتی ہیں، ٹھیک کرلیتی ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ گھر تو گھر والی ہی سے آباد ہوتا ہے۔

مرد کو اللہ رب العزت نے ایسی طبیعت دی ہے کہ وہ interference (مداخلت) کو برداشت نہیں کرتا۔ اب دیکھیں کہ lion territorial (شیر کی ریاست کا دائرہ) ہوتا ہے وہ اپنی territory (سرحد) کو mark (نشان زد) کردیتا ہے، پھر اگر کوئی دوسرا شیر آئے تو اس کے ساتھ جنگ کرتا ہے حتی کہ دونوں میں سے کسی ایک کی موت آجاتی ہے۔ عورت کو اللہ رب العزت نے ایسا بنایا کہ وہ

codependance (دوسرے پر انحصار) کو پسند کرتی ہے cooperation (شرکت وتعاون) کو پسند کرتی ہے، چنانچہ مل جل کر رہنا عورت کی شخصیت میں زیادہ غالب ہوتا ہے۔

مرد کو اللہ نے ایسا بنایا کہ کسی سے مدد مانگنا اس کو برا محسوس ہوتا ہے، یہ اپنی خودداری کے خلاف سمجھتا ہے، اس کی ''میں'' برداشت نہیں کرتی کہ کوئی مجھ پہ ترس کھائے، جب کہ عورت کو اللہ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ help (مدد) لینے کو زندگی کا نارمل عمل سمجھتی ہے۔ چنانچہ بیٹی ہوتی ہے تو اس کو باپ کی مدد چاہئے، بہن ہوتی ہے تو بھائی کی چاہئے، بیوی ہوتی ہے تو خاوند کی چاہئے اور ماں ہوتی ہے تو اولاد کی چاہئے، طبیعت ہی اللہ نے اس کی ایسی بنائی کہ اس کے لئے یہ چیز نارمل ہوتی ہے۔

مرد اپنے دل کو کسی کے سامنے کھول دے یہ ایک بہت مشکل کام ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے عیب کسی کو نہیں بتا تا حتی کہ ہمارا تو یہ تجربہ ہے کہ اپنے شیخ کو بھی خط لکھتا ہے تو آدھی بات لکھتا ہے آدھی گم کر جاتا ہے، پھر Read inbetween the line (بین السطور کو پڑھنے) والا کام شیخ کو کرنا پڑتا ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے، تو اپنا عیب بتانا مرد کے لئے ایک مصیبت ہے۔ عورت کی طبیعت اللہ نے ایسی بنائی کہ دل کو کھول دینا اس کے لئے نارمل سی چیز ہے، اس لئے اپنے خاوند کو پہلی غلطیاں بھی بتا دیتی ہے، موجودہ غلطیاں بھی بتا دیتی ہے۔

مرد کو اللہ رب العزت نے ایسا بنایا کہ وہ اپنے اوپر criticising (تنقید) کو بہت برا سمجھتا ہے

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

چنانچہ اگر کوئی اس کو نصیحت کر دے تو یہ برا مان لیتا ہے، اس لئے کئی عورتیں غلطی کرتی ہیں کہ مرد کو نصیحت کرتی ہیں، اپنے طور پہ ہمدردی کر رہی ہوتی ہیں، وہ نہیں سمجھ رہی ہوتیں کہ اس کے اندر کتنی آگ جل رہی ہوتی ہے، عورت کی ایک طبیعت ہے کہ وہ نصیحت کا برا نہیں مانتی، اس کو اچھا سمجھتی ہے، لہٰذا جس بیوی کو اس کا خاوند سمجھائے، گائڈ کرے، تو وہ بیوی خوش ہوتی ہے اور اس خاوند کے ساتھ خوش زندگی گذارتی ہے۔

مرد اپنی success (کامیابی) سمجھتا ہے کہ جب اس نے ریزلٹ کو حاصل کر لیا اور عورت اس کو اپنی کامیابی سمجھتی ہے کہ اس نے تعلقات کو اچھی طرح نبھا دیا، اسی لئے خاندانوں کے تعلقات کو عورتیں بناتی ہیں، رشتہ داریوں کے تعلقات کو نبھانا یہ عورتوں کے کام ہوتے ہیں، ایک ایک چیز کا خیال رکھنا، لوگوں کا خیال رکھنا، شادی بیاہ میں کہاں کیا کرنا ہے، اس میں تو مرد کو سمجھ ہی نہیں ہوتی، عورتیں ہی جانتی ہیں کہ اب

ضرورت کیا ہے۔

مرد کی شخصیت ایسی کہ men use love to get sex (مرد جنس کے لئے محبت کو استعمال کرتے ہیں) اور عورت کی طبیعت ایسی کہ women use sex to get love (عورتیں محبت پانے کے لئے جنس کو استعمال کرتی ہیں)۔ مرد کو اللہ رب العزت نے اپنی محبت کے اظہار کا ڈائرکٹ معاملہ دیا، وہ الفاظ میں کہہ دیتا ہے، عورت کی طبیعت میں چونکہ حیا غالب ہوتی ہے، اس لئے وہ کبھی صاف لفظوں میں نہیں کہتی، ہمیشہ اشاروں میں بات کرتی ہے، مرد کو سمجھنا پڑتا ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے، اس لئے مرد کو جو اکثر خیال آتے ہیں وہ ٹوٹل کنٹرول کے آتے ہیں، خواب بھی آتے ہیں تو اسی طرح کے کہ میں بادشاہ بن گیا، میں ہوا میں اڑ رہا ہوں، میرے بزنس کا پرافٹ اتنا ہو گیا، اور عورت کے خواب رشتہ داروں، بچوں اور گھر کے لوگوں کے متعلق ہوتے ہیں۔

ہم نے اپنی زندگی میں دیکھا کہ ہماری والدہ صاحبہ کو اکثر و بیشتر خواب آتا تھا کہ میرا فلاں بیٹا پریشان ہے، اب وہ میرے بھائی سے کہتی تھیں کہ پتہ کرو تمہارا بھائی دوسرے شہر میں ہے، اور واقعی جب پتہ کیا جاتا تھا تو کوئی نہ کوئی اس کی وجہ ہوتی تھی، کبھی کہتی تھیں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری فلاں بیٹی بیمار ہے، پتہ کرو، پتہ کرتے تھے تو واقعی وہ بیمار ہوتی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں اپنی والدہ کو کئی مرتبہ خواب سناتے ہوئے دیکھا جو سچے تھے اور وہ بچوں سے متعلق ہوتے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ چونکہ یہ اخلاص کی دیوی ہوتی ہے، مخلص ہوتی ہے، اور بچوں کی خدمت میں گم ہوتی ہے، تو بچوں سے متعلق سب سے بہتر اور جلدی الہام ماں کو ہی ہوتا ہے، تو مرد کے خواب اور طرح کے، اور عورت کے خواب اور طرح کے، یوں سمجھ لیجئے کہ مرد کی لائف goal oriented (کسی مقصد کے اِردگرد) ہوتی ہے، عورت کی لائف relationship oriented (رشتوں کے ماتحت) ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک couple (جوڑا) تھا، ان کی شادی ہوئی، دونوں نے سوچا کہ ہم یونیورسٹی میں ایک کورس کر لیتے ہیں، اس کے لئے ان کو ٹیسٹ دینا تھا، تو دونوں میاں بیوی وہاں گئے، انھوں نے کہا کہ آپ کو ایک question answer کرنا پڑے گا (سوال کا جواب دینا ہوگا)، قدرۃً سوال یہ تھا کہ wonders of the world بتائیں یعنی بتائیں کہ دنیا کے عجائبات کیا ہیں؟ تو مرد نے اس کا جواب لکھا کہ Egypt کے Pyramids (مصر کے اہرام)، تاج محل، دیوارِ چین، پناما کی نہر، Empires

ہیں، اب دلہن صاحب کا جب پیپر wonders of the world یہ دنیا کے state building دیکھا گیا تو اس نے دنیا کے عجائبات میں لکھا تھا to see (دیکھنا) to smile (مسکرانا) to speak (باتیں کرنا) to touch (ہاتھ لگانا) to kiss (چومنا) to hug (گلے لگنا) to make love (اور اپنے میاں سے محبت کرنا)، اب عورت کے لئے یہ سات چیزیں wonders of the world تھیں، اس لئے کہ اس کی شادی ابھی ابھی ہوئی تھی تو مرد کی سوچ Different (مختلف)، عورت کی سوچ بالکل مختلف۔

اسی لئے شریعت نے دونوں کے احکام جدا جدا رکھے ہیں، سبحان اللہ قربان جائیں کہ یہ کتنی خوبصورت شریعت ہے، مثلاً مرد اور عورت کو دیکھیں تو نمازوں کے انداز مختلف جس طریقہ سے مرد رکوع کرتا ہے، عورت حاملہ ہو تو اس طرح سے رکوع کرنا اس کے لئے possible ہی نہیں ہوتا، مرد کے لئے اونچا سجدہ کرنا آسان اور حاملہ عورت کے لئے اونچا سجدہ کرنا مشکل کام، مرد مہینے کے ۳۰ دن نمازیں پڑھتا ہے، عورت کو اس کی ضروریات کی وجہ سے ۱۰ دن کی نماز معاف کردی ہوتی ہے، مرد ۳۰ دن کے روزے رکھتا ہے، عورت ایام کے دن روزے نہیں رکھتی، رمضان کے بعد قضا کرتی ہے، مرد جب چاہے قرآن پاک کی تلاوت کرسکتا ہے، عورت حیض اور نفاس کے دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرسکتی۔ مرد کے لئے اللہ رب العزت نے چہرہ کا پردہ نہیں رکھا، عورت کے لئے اللہ رب العزت نے چہرہ کا پردہ بھی رکھا۔ اسی طرح مرد اگر نماز میں ہے اور امام غلطی کرے تو شریعت کہتی ہے کہ یہ سبحان اللہ پیچھے سے اونچی آواز سے کہہ دے تاکہ امام کو پتہ چل جائے، لیکن عورت اگر نماز میں ہے تو یہ آواز بلند نہیں کرسکتی، فرمایا کہ ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارے تاکہ آواز پیدا ہو اور اس سے پتہ چل جائے، تو دیکھئے مرد کے لئے جہر قراءت کو رکھا، اور عورت کو جہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ تو احکامِ عبادت مرد کے لئے اللہ نے اور رکھے، عورت کے لئے اللہ نے اور رکھے، گویا شریعت نے بتلا دیا کہ دیکھو دونوں کی جسمانی ساخت اور دونوں کی شخصیتیں الگ الگ ہیں، اس کے حساب سے ان کی ذمہ داریاں بھی الگ الگ ہیں۔

اب اس کو ذرا آسان لفظوں میں سمجھنا ہو تو یوں سوچ لیجئے کہ ایک trailer (ٹریلر) ہوتا ہے جو چالیس فٹ لمبا ہوتا ہے اور ایک مرسڈیز کار ہوتی ہے، اب دونوں مشینوں کی نوعیت بالکل جدا ہے، ٹریلر کا سائز بہت بڑا ہوتا ہے اور مرسڈیز کار نسبتاً بہت چھوٹی ہوتی ہے، ٹریلر کی باڈی بہت مضبوط ہوتی ہے اور کار کی باڈی بہت نفیس ہوتی ہے، ٹریلر میں ایک درجن ٹائر لگے ہوتے ہیں، مرسڈیز کار کو دیکھو تو چار ٹائر ہی اس کے

لئے کافی ہوتے ہیں، ٹریلر کو کئی ٹنوں کا وزن اٹھانا ہوتا ہے اور مرسڈیز گاڑی کو چار آدمیوں کو لے کر جانا ہوتا ہے، اس لئے ٹریلر کے wheel (پہیّے) میں جو ہوا کا پریشر ہے وہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور کار میں ٹائر کا پریشر بہت مناسب ہوتا ہے، بڑے بڑے ٹریلر fully airconditioned (مکمل ایر کنڈیشنڈ) نہیں ہوتے، اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، گاڑی کو دیکھو تو وہ fully airconditioned (پوری ایر کنڈیشنڈ) ہے، ٹریلر کو پارکنگ out of door کرنی پڑتی ہے، مرسڈیز گاڑی کی پارکنگ in door ہوتی ہے، ٹریلر چلتا ہے تو درمیانی سپیڈ میں چلتا ہے، مرسڈیز گاڑی کو دیکھو تو cruise control ہوتا ہے، ٹریلر کو موڑ کاٹنے کے لئے لمبی جگہ چاہئے، مرسڈیز گاڑی کے لئے بہت چھوٹی جگہ چاہئے، اسی لئے ٹریلر چلانے کے لئے heavy vehicle (بھاری گاڑی کا) لائسنس ضروری ہے اور گاڑی چلانے کے لئے light vehicle (ہلکی گاڑی) کا لائسنس ضروری ہے، ٹریلر کے اندر ڈیزل ڈالا جاتا ہے، مرسڈیز گاڑی کے اندر پٹرول ڈالا جاتا ہے، اب گاڑیاں تو دونوں ہیں مگر چونکہ دونوں کا مقصود مختلف ہے تو دونوں کی اتنی چیزوں میں فرق آ گیا۔ بالکل یہی مثال سمجھ لیجئے کہ مرد اور عورت ہیں تو دونوں انسان، مگر چونکہ دونوں کے مقصدِ زندگی جدا جدا تھے، ضروریاتِ زندگی جدا جدا تھیں، اس لئے اللہ رب العزت نے دونوں کے جسموں میں بھی فرق بنا دیا اور دونوں کی طبیعتوں میں بھی فرق بنا دیا، اگر کوئی بندہ ٹریلر کو مرسڈیز گاڑی کی طرح چلانا چاہے تو ایکسیڈنٹ کرے گا اور اگر مرسڈیز گاڑی کو ٹریلر کی طرح چلانا چاہیں تو تو بھی ایکسیڈنٹ کرے گا، دونوں کی ضروریات کا الگ الگ خیال رکھنا پڑے گا۔

ایک اور مثال سے سمجھ لیجئے، ہم چھوٹے تھے، ہماری گلی میں ایک آدمی تھا، وہ کبوتر پالتا تھا، تو کبھی کبھی ہم گلی سے گذرتے تھے، تو اس کے ہاتھ میں کبوتر ہوتا تھا، تو ہم چھوٹے بچے بڑے حیران ہو کے دیکھتے تھے کہ اس نے کبوتر ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، ایک دن وہ کہنے لگا کہ آپ بھی اس کو پکڑو، ہم نے ڈرتے گھبراتے کبوتر کو ہاتھ میں لیا، ہمیں یہ محسوس ہوا کہ کبوتر کو پکڑنا تو بہت آسان ہے، یہ ایسا پرندہ ہے کہ نرم سی انگلیاں اس کے اوپر رکھ دو تو خود ہی قابو میں رہتا ہے، نکلنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، چنانچہ اس نے کہا کہ اس کو سختی سے مت پکڑنا، اس کا دم گھٹ جائے گا، اس پر نرمی سے ہاتھ رکھنا، چنانچہ ہم نے بہت نرمی سے اس کے پروں کو اپنی انگلیوں میں لیا اور وہ کبوتر بہت آرام سے ہاتھ میں رہا۔ اب یہ ہمارا ایک تجربہ تھا کہ کسی چیز کو پکڑتے ہیں تو نرم پکڑتے ہیں۔ اللہ کی شان کہ ہم ایک جگہ پر دریا کے کنارے تھے، لوگ مچھلیاں پکڑ رہے تھے، اب ایک

صاحب نے مچھلی پکڑی، وہ بڑی تھی، وہ میرے پاس لایا کہ یہ پکڑ وذرا، یہ میرے لئے زندگی کا پہلا تجربہ تھا، اب جس طرح میں نے کبوتر کو پکڑا تھا اس طرح نرم ہاتھ سے میں نے مچھلی کو پکڑا تو وہ تو پھر پانی میں چلی گئی، اتنا اچھا شکار ہاتھ سے چھوٹ گیا، تو اس دن تجربہ ہوا کہ کبوتر کو پکڑنے کا طریقہ اور تھا، مچھلی کو پکڑنے کا طریقہ اور تھا، اس کو سختی سے پکڑنا ضروری تھا۔ ہم ایک مرتبہ حنانہ (حضرت کی پوتی) کو ایک جگہ پر لے گئے، وہاں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی، ہم نے اس سے کہا کہ پکڑو، اس نے کیا ہاتھ لگایا کہ مچھلی اچھل کے پانی میں چلی گئی، کہتی ہے: داداابو! یہ تو بھاگ جاتی ہے، اس لئے بھاگ جاتی ہے کہ اس کو پکڑنے کا طریقہ اور ہے۔

اب اس مثال کو ذہن میں رکھئے کہ مرد سے ڈیل کرنے کا طریقہ اور ہے، عورت سے ڈیل کرنے کے طریقے اور ہیں، تو آج کے اس بیان میں یہ بات ذہن نشین کروانی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کی الگ الگ شخصیتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں، پھر یہ سمجھ میں آجائے گا کہ اگلا بندہ جو بات کر رہا ہے تو وہ چاہتا کیا ہے اور پھر یہ جو آپس کی arguments (جھگڑے) ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہوگا۔

غلطی سب سے بڑی یہ ہوتی ہے کہ مرد چاہتا ہے کہ عورت میری طرح behave (معاملہ) کرے، عورت چاہتی ہے کہ مرد میری طرح behave (معاملہ) کرے، اس لئے وہ ایک sentence (جملہ) ہے کہ میرے خاوند کو عینک چاہئے He does not look at the things my way (یعنی یہ کہ وہ میری طرح نہیں سوچتے) بھائی آپ عورت ہو تو آپ کا نقطۂ نظر اور ہے، آپ اور طریقہ سے چیزوں کو دیکھوگی، وہ مرد ہے، وہ اور نقطۂ نظر سے دیکھے گا، کیا ضرورت ہے اس کو عینک پہنانے کی۔ اب گھروں کے اندر جو الجھنیں ہوتی ہیں ان کی ایک بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے مزاج کو نہیں سمجھتے، لہٰذا مرد کی خاموشی کا مطلب عورت اور نکالتی ہے، عورت کی بات کا مرد اور نتیجہ نکالتا ہے، حالانکہ دونوں They think differently, feel differently percieve differently, react differently, respond differently,appreciate differently, love differently. (یعنی یہ کہ مرد و عورت کے سوچنے، محسوس کرنے، رائے قائم کرنے، کسی چیز کا تأثر لینے یا اس پر ردعمل ظاہر کرنے، کسی چیز کی اہمیت کو جانچنے، اور پسند کرنے، الغرض ان سب معاملات کے انداز الگ الگ ہوتے ہیں) تو اگر یہ چیز ذہن میں آجائے کہ مختلف چیزوں کے درمیان فرق ہوتا ہے تو پھر ایک دوسرے سے ڈیل کرنا، مل جل کے رہنا، محبت پیار سے رہنا، ایک دوسرے کے اشاروں کو سمجھنا آسان ہو جائے گا، اگر نہیں سمجھتے تو میاں بیوی جو ہیں

وہ intolerant (جھگڑالو) ہوجاتے ہیں، Resentful (ایک دوسرے سے بیزار) ہوجاتے ہیں، judgmental (ایک دوسرے کو خالص قانونی نگاہ سے دیکھنے والے) ہوجاتے ہیں اور نیک دیندار لوگوں میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ الجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے. اس لئے حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ماذاالنکاح نکاح کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا تھا: لزوم مھر مہر لازم ہوجاتا ہے، پھر پوچھا: ثم ماذا؟ انھوں نے کہا: سرور شھر ایک مہینے کے مزے ہیں، پھر پوچھا: پھر کیا؟ انھوں نے کہا: ھموم دھر ساری عمر کے غم ہیں۔ تو واقعی اگر عام آدمی ایک دوسرے کی شخصیتوں کو نہ سمجھے تو پھر شادی ایسی ہی نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ دلہن کو تیار کیا، اس موقع پہ اس کے سارے گھر والے اس کی جدائیگی پہ رو رہے تھے اور دلہا ہنستا ہوا اپنے ماں باپ کے ساتھ آیا، کہ اس کو تو اپنی بیوی کو لے کے جانا تھا، تو چھوٹا بچہ بڑا حیران ہوا کہ میری امی بھی رو رہی ہے، ابو بھی رو رہے ہیں، بھائی بھی رو رہے ہیں، بہنیں بھی رو رہی ہیں، خود میری بہن بھی رو رہی ہے، سارا مجمع رو رہا ہے، اور دلہا میاں ہنس رہے ہیں؟ اس نے پوچھا: ابو! سارے رو رہے ہیں مگر یہ دلہا بھائی تو ہنس رہے ہیں؟ اس نے کہا بیٹا! آج ہم سب روئیں گے، پھر باقی ساری زندگی یہی روئے گا۔

تو شادی کو اس انداز میں جب present (پیش) کیا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور اگر طبیعتیں ایک دوسرے کی سمجھ لی جائیں اور ایک دوسرے کی طبیعتوں میں جو differences (الگ الگ انداز) ہیں ان سب کو اہمیت دی جائے، ان کو accept (قبول) کیا جائے تو پھر محبتیں بڑھتی ہیں، انسان ایک دوسرے کے ساتھ الفت ومحبت کی زندگی گذارتا ہے۔ لہٰذا آپ یہ بات ذہن نشیں کرلیجئے کہ مرد کی طبیعت اور ہے، عورت کی طبیعت اور ہے، دونوں ایک دوسرے کی طبائع کو behaviour کو سمجھ کر زندگی گذاریں گے تو محبتوں بھری زندگی ہوگی، اور احادیث مبارکہ سے اس کی مثالیں ملتی ہیں، جب آپ کو اس کی مثالیں اپنے موقع پر پیش کریں گے تو آپ حیران ہوں گی اور آپ کو یوں نظر آئے گا کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تو کائنات کے سب سے زیادہ ماہر نفسیات تھے کہ آپ نے ہر ایک کو اس کے حساب سے ڈیل کرنے کے طریقے بتائے اور سمجھائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پرہیزگاری، نیکوکاری کی زندگی نصیب فرمائے۔ پرسکون زندگی نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی ✶

علامہ شیخ صفی الدین ہندی، اُرموی، شافعی

(حیات وخدمات کے چند گوشے)

[مارچ ۲۰۱۲ء میں بھٹکل کے مشہور تعلیمی ادارے جامعہ اسلامیہ میں منعقد ہونے والے تعلیمی سمینار کا ایک موضوع تھا، ''ہندوستان کے شافعی المسلک علماء وفقہاء'' اس سمینار میں محترم مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی صاحب نے ایک ہندی نژاد شافعی فقیہ علامہ صفی الدین ہندی پر ایک مقالہ پیش کیا تھا فاضل مقالہ نگار کی عنایت سے اس کی پہلی قسط نذر ناظرین کی جارہی ہے۔ ــــــ مدیر]

غیر منقسم ہندوستان ابتدائی صدیوں سے علوم اسلامیہ کا مرکز رہا ہے اور ہر صدی میں خاک ہند سے نابغۂ روزگار اہل علم وفضل ظاہر ہوتے رہے ہیں جن کی تابانیاں عالم کو منور کرتی رہی ہیں اور جن کے دم سے علم وتحقیق کے گلستانوں میں نئے نئے پھول کھلتے رہے ہیں۔

حضرت مولانا سید عبدالحئ حسنیؒ کی کتاب ''نزھۃ الخواطر'' اہل ہند کی علمی ترکتازیوں کا بہترین مرقع ہے، اس کتاب نے عرب دنیا میں ہندوستان کے اہل علم وفضل، اعیان ومشاہیر کا بھرپور تعارف کرایا ہے اور علمی دنیا پر غیر معمولی احسان کیا ہے۔

ہندوستان اور فقہ شافعی

ہندوستان دور قدیم سے حنفی فقہ، اصول فقہ اور فتاویٰ کا مرکز رہا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ برصغیر کے جنوبی اور مغربی ساحلی علاقے شافعی المسلک مسلمانوں سے بھی آباد رہے ہیں، ان علاقوں میں بڑے

✶ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء وصدر معہد الشریعۃ لکھنؤ

بڑے شافعی علماء اور فقہاء پیدا ہوئے اور انہوں نے بڑے بڑے علمی اور تحقیقی کام کیے، آج بھی جنوب ہند کے ساحلی علاقے شافعی المسلک مسلمانوں کے وجود سے پر رونق ہیں، کیرالا اور بھٹکل وغیرہ میں بڑے بڑے دینی مدارس اور جامعات قائم ہیں، کوکن کے پورے علاقے میں دینی اور ایمانی رنگ شافعی المسلک علماء، فقہاء اور مصلحین کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں جب بلاد عربیہ واسلامیہ تاتاریوں کی غارت گری سے زار ونزار تھے اور مسلمانوں کا خون ارزاں ہوگیا تھا اور عالم اسلام انتہائی خوف وہراس اور دہشت میں مبتلا تھا اس وقت ہندوستان عالم اسلام کے علماء اور فضلاء نیز مشائخ کے لئے زبردست پناہ گاہ تھا، ہندوستان تاتاریوں کے سیلاب بلاخیز سے محفوظ رہا، تاتاریوں کے مظالم سے بچنے کے لئے عالم اسلام کے ان حصوں سے جہاں تاتاریوں کی تباہ کاریاں جاری تھیں، بہت بڑی تعداد میں علماء، مشائخ اور اصحاب فضل وکمال نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی، ان کی اچھی خاصی تعداد دہلی اور اس کے مضافات میں آباد ہوئی، دہلی کے مسلم سلاطین نے ان آنے والوں کا استقبال اور اکرام کیا، ان میں سے بہت سوں کو اہم علمی مناصب پر فائز کیا، قاضی، مفتی محتسب وغیرہ مقرر کیا، ان آنے والوں میں متعدد شافعی المسلک فقہاء، محدثین وغیرہ بھی تھے۔

ہندوستان کے شافعی المسلک علماء اور فقہاء کا کوئی مستقل تذکرہ میرے علم میں نہیں ہے، جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے ہندوستان کے شافعی فقہاء کو سیمنار کا موضوع بنا کر ایک مستحسن قدم اٹھایا ہے، یہ سیمنار شافعی فقہاء ہند کے تذکرہ وتراجم کو مرتب کرنے میں بڑا معاون ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ اس سیمینار کے مقالات شافعی فقہاء ہند کی ایک بڑی تعداد کو علمی دنیا میں متعارف کرانے کا ذریعہ بنیں گے۔

میں اپنے اس مقالہ میں ایک ایسے ہندوستانی شافعی فقیہ واصولی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جن کے شاگردوں میں امام ذہبی، حافظ ابن قیم اور شیخ کمال الدین بن الزملکانی نیز کمال الدین شیرازی جیسے ائمہ اور اعلام شامل ہیں اور جنہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ جیسے عبقری شخص سے بعض کلامی مسائل پر مناظرہ کیا، میری مراد شیخ صفی الدین ہندی ہیں، ان کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

نام، نسب، کنیت، لقب، نسبت، ولادت

شیخ صفی الدین ہندی کا نام محمد، والد کا نام عبدالرحیم اور دادا کا نام محمد تھا صفدی اور سیوطی نے ان کے والد کا نام عبدالرحمن لکھا ہے لیکن اکثر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے عبدالرحیم لکھا ہے، ان کی کنیت ابو

عبداللہ، لقب صفی الدین، اور نسبت ارموی اور ہندی ہے، شیخ صفی الدین عقیدہ میں اشعری، فقہی مذہب میں شافعی تھے، زبردست محقق اور فقیہ تھے، تمام علوم میں مہارت تھی لیکن اصول فقہ اور علم کلام میں انہیں خصوصی دستگاہ حاصل تھی، ان دونوں علوم میں ان کے فضل وکمال کا ڈنکا بجتا تھا، منطق اور فلسفہ میں بھی امتیاز واختصاص تھا۔

ارموی نسبت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اجداد کا تعلق آذر بائیجان کے ایک شہر ''اُرمیہ'' سے تھا، تاتاری فتنہ کے زمانہ میں یہ لوگ ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے تھے اور دہلی میں آباد ہو گئے تھے، اس لئے ''ارمیہ'' کی طرف نسبت کر کے انہیں ارموی کہا جاتا ہے اور ہندوستان کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہندی کہا جاتا ہے۔

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ صفی الدین کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی لیکن متعین طور پر کسی شہر یا آبادی کا ذکر نہیں آتا، اکثر تذکرہ نگاروں کے مطابق ربیع الاول ۶۴۴ھ میں پیدائش ہوئی، تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ ان کی ولادت، نشو ونما ہندوستان میں ہوئی، رجب ۶۶۷ھ میں وہ سفر حج کے لئے دہلی سے روانہ ہوئے اور یمن کا رخ کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عمر کے ابتدائی ۲۳ سال انہوں نے ہندوستان میں گذارے اور دہلی سے روانہ ہونے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی اور ان کے گھر والوں کی رہائش دہلی یا اس کے اطراف میں تھی۔

تعلیم وتربیت اور تعلیمی اسفار

کتب تاریخ وتراجم میں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ شیخ صفی الدین ہندی نے ۲۳ / سالہ قیام ہندوستان میں کن کن اساتذہ سے تعلیم حاصل ہوئی، کن مشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، صرف اتنا ملتا ہے کہ ان کے نانا بڑے فاضل شخص تھے ان سے علوم وفنون پڑھے، ان کی وفات ۶۶۰ھ میں ہوئی اسی طرح ان کے دادا محمد الہندی بھی فاضل شخص تھے ان سے بھی علوم وفنون پڑھے، افسوس ہے کہ ہندوستانی مآخذ ان کے حالات خصوصاً قیام ہندوستان تک کے حالات کے بارے میں خاموش ہیں، قرین قیاس یہی ہے کہ انہوں نے اپنے نانا اور دادا کے علاوہ دوسرے علماء ومشائخ سے بھی استفادہ کیا ہوگا، اس دور میں دہلی اہل علم وفضل سے معمور تھا، تاتاری فتنہ کی وجہ سے بے شمار علمی خانوادے خراسان اور دوسرے بلاد اسلامیہ سے ہجرت کر کے ہندوستان (خصوصاً دہلی) میں آ بسے تھے، عموماً ۲۲، ۲۳ / سال کی عمر میں مروجہ علوم کی تکمیل

ہوجاتی تھی، اس لئے ہر طرح قرین قیاس یہی ہے کہ انہوں نے دہلی کے دوسرے علماء ومشائخ سے بھی استفادہ کیا ہو۔

تذکرہ نگاروں کے مطابق انہوں نے ۶۶۷ھ میں حج کیا، حج کے بعد تین ماہ مکہ مکرمہ میں قیام کیا، ظاہر ہے کہ یہ قیام ۶۶۸ھ میں ہوا ہوگا، اس کے بعد انہوں نے مصر کا سفر کیا اور یہ سفر سمندری راستے سے کیا، لیکن ان کا مصر پہونچنا ابن حجر کے مطابق ۶۷۱ھ میں ہوا اور جمال الدین اسنوی شوکانی نیز ابن قاضی شہبہ کے مطابق ۶۷۰ھ میں ہوا، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر انہوں نے ۶۶۸ھ کے وسط میں مکہ مکرمہ سے سمندری راستے سے مصر کا سفر شروع کیا ہو تو انہیں مصر پہونچنے میں دو تین سال کیسے لگ سکتے ہیں۔ لامحالہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ انہوں نے ۶۶۷ھ میں حج کرنے کے بعد اور ۶۶۸ھ میں مکہ مکرمہ میں تین ماہ قیام کرنے کے بعد براہ راست مصر کا سفر نہیں کیا، انہوں نے کم وبیش دو تین سال کا عرصہ حجاز، یمن، اور مصر کے سمندری راستہ پر واقع ہونے والے مقامات میں گزار کر ۶۷۰ھ یا ۷۱ میں مصر کا سفر مکمل کیا، حج کے بعد اور مصر پہونچنے سے پہلے دو تین سال کا عرصہ انہوں نے کہاں گذارا، کن مقامات پر گئے اور کن لوگوں سے استفادہ کیا اس کے بارے میں ان کے سیرت نگار خاموش نظر آتے ہیں۔

مصر میں ان کا قیام چار سال رہا انہوں نے مصر کے علماء ومشائخ سے علوم وفنون کی تحصیل کی افسوس ہے کہ ان کے حالات میں ان علماء ومشائخ کے نام اور ان کی تفصیلات نہیں ملتیں جن سے انہوں نے قیام مصر کے زمانہ میں استفادہ کیا، چار سال مصر میں گذارنے کے بعد وہ انطاکیہ کے راستے ۶۷۵ھ میں روم کے علاقہ میں پہونچے۔ دیار روم میں انہوں نے گیارہ سال گذارے پانچ سال قونیہ میں، پانچ سال سیواس میں اور ایک سال قیساریہ میں، تذکرہ نگاروں کے بیانات سے ایسا لگتا ہے کہ ان کا گیارہ سال کا یہ طویل عرصہ بھی علوم وفنون کی تحصیل میں گذرا، اس گیارہ سال کی مدت میں انہوں نے کن کن علماء سے استفادہ کیا اس کا ذکر بھی مؤرخین نے نہیں کیا۔ صرف ان کے ایک شیخ قاضی سراج الدین ارموی کا تذکرہ سوانح نگاروں نے کیا ہے، جنہیں علوم اسلامیہ خصوصاً اصول فقہ میں بڑی مہارت حاصل تھی اور ان کی کتاب التحصیل اصول فقہ کی اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

شیخ سراج الدین ارموی کا قیام قونیہ میں تھا وہیں ان سے شیخ صفی الدین ہندی نے علمی استفادہ کیا اور کئی سال ان کی صحبت میں گذارے، شیخ سراج الدین کو علوم عقلیہ میں بھی بڑی مہارت تھی، شیخ صفی الدین

نے ان سے خاص طور پر علوم عقلیہ میں بھی استفادہ کیا۔ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ شیخ صفی الدین ہندی اور شیخ سراج الدین ارموی دونوں کا قدیم وطنی تعلق خراسان کے مشہور شہر ارمیہ سے تھا۔ ممکن ہے کہ دونوں کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہو یا ان کے درمیان قرابت داری رہی ہو۔

۶۸۵ھ میں شیخ صفی الدین ہندی بلاد روم سے رخصت ہو کر بلاد شام منتقل ہوئے اور دمشق کو اپنی آخر اقامت گاہ بنایا، دمشق میں بھی انہوں نے وہاں کے ممتاز علماء اور مشائخ سے استفادہ کیا اور علوم وفنون کی طلب وجستجو میں سست نہیں پڑے لیکن تذکرہ نگاروں کے مطابق قیام دمشق سے ان کی فیض رسانی اور افادہ کا دور شروع ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیلات بعد میں آئیں گی۔

اگر ہم اس بات کو مان لیں کہ دمشق آنے سے پہلے ان کی ساری عمر محض طلب علم اور تحصیل فنون میں گذری تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اکتالیس سال کی عمر تک اپنا پورا وقت پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ علوم ادبیہ، علوم شرعیہ اور علوم عقلیہ کو سیکھنے اور ان میں کمال پیدا کرنے میں صرف کیا۔ حالاں کہ ان کے یمن جانے اور شاہ یمن کی طرف سے ان کے اکرام ونوازش کا جو واقعہ پیش آیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۲۳؍سال کی عمر میں جب وہ ہندوستان سے نکلے اس وقت بھی وہ اپنی امتیازی شان رکھتے تھے اور اس قابل سمجھے گئے کہ بادشاہ نے ان کا غیر معمولی اکرام کیا اور گراں قدر عطیہ سے نوازا۔ اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ انہوں نے حجاز، یمن، دیار مصر اور بلاد روم میں اٹھارہ سال محض طالب علمانہ نہ گذارے ہوں بلکہ استفادہ کے ساتھ افادہ بھی کیا ہو، پڑھنے کے ساتھ پڑھایا بھی ہو۔

اسفار

تذکرہ نگاروں کے مطابق شیخ صفی الدین ہندی نے ہندوستان کے باہر پہلا سفر ۶۶۷ھ میں کیا جب ان کی عمر ۲۳؍سال تھی، انہوں نے دہلی سے یمن کا رخ کیا، وہاں انہوں نے یمن کے بادشاہ ملک مظفر (یوسف بن المنصور) سے بھی ملاقات کی، بادشاہ نے ان کا اکرام فرمایا اور چارسو دینار ہدیہ پیش کیا، کتب تذکرہ وتراجم سے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان کے سفر یمن کا مقصد کیا تھا، وہ سفرِ حج میں ضمناً یمن میں رک گئے اور وہاں کے بادشاہ اور علماء سے ملاقات کی؟ یا انہوں نے یمن کو مقصد سفر بنایا، وہاں کے علماء سے ملے، ان سے علمی استفادہ کیا اور بادشاہ سے بھی ملے، جس نے ان کا اکرام کیا اور خطیر ہدیہ سے نوازا۔

صاحب فوات الوفیات نے شیخ صفی الدین کا یہ بیان درج کیا ہے کہ میں نے ۶۶۶ھ میں حج کیا

اورابن سبعین کے ساتھ فلسفہ کے بارے میں بحث کی، اگر یہ درست مان لیا جائے تو اس سے ثابت ہوگا کہ انہوں نے پہلے ۶۶۶ھ میں حج کیا، تین ماہ مکہ مکرمہ میں قیام کیا، پھر ۶۶۷ھ میں یمن کا سفر کیا، اس صورت میں ان کا دہلی سے نکلنا ۶۶۶ھ میں ماننا پڑے گا جو عام تذکرہ نگاروں کے بیان کے خلاف ہے۔

یمن میں ان کی بادشاہ کے دربار میں باریابی، بادشاہ کی طرف سے ان کا اکرام کیا جانا اور چار سو دینار کا گراں قدر ہدیہ پیش کیا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہندوستان ہی میں وہ علوم وفنون میں کمال پیدا کر چکے تھے، اس نوجوان کے فضل وکمال سے یمن کے اہل علم وفضل متاثر ہوئے، بادشاہ کے دربار تک ان کا چرچا پہونچا اسی لئے بادشاہ نے ان کا اکرام کیا اور گراں قدر تحفہ سے نوازا، اکثر تذکرہ نگاروں نے چار سو دینار (اشرفی) تحفہ دینے کا ذکر کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنۃ میں نوسو (۹۰۰) دینار دینے کا ذکر فرمایا ہے۔

شیخ صفی الدین ہندی کے اساتذہ

شیخ صفی الدین ہندی کی عمر کا نصف سے زیادہ حصہ علوم وفنون کی طلب وتحصیل میں گذرا، ۲۳ سال وہ ہندوستان میں رہے اور اغلب یہی ہے کہ ان کا قیام دہلی میں رہا، اس وقت شہر دہلی مختلف علوم وفنون کے ماہرین سے آباد تھا اور دہلی کی علمی رونق قابل دید تھی، تذکرہ نگاروں کے مطابق ان کے دادا اور نانا دونوں بڑے فاضل تھے، اس لئے یہ بات ہر طرح قرین قیاس ہے کہ ان دونوں نے اس حوصلہ مند اور ذہین نوجوان کو اپنے ذخیرۂ علم سے مستفید کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے ممتاز علماء اور مشائخ سے استفادہ کی ضرور تلقین کی ہوگی، اور شیخ صفی الدین نے دہلی کے دوسرے علماء اور مشائخ سے بھر پور استفادہ کیا ہوگا، لیکن شیخ صفی الدین کے تذکروں میں یہ تفصیل بالکل درج نہیں ہے کہ انہوں نے قیام ہندوستان کے زمانہ میں کن علماء اور اعیان سے کسب فیض کیا اور کن یگانۂ روزگار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، تمام حضرات نے یہی لکھا ہے کہ انہوں نے نانا اور دادا سے تعلیم حاصل کی، اور ان دونوں سے پڑھا، نانا کا نام بھی مذکور نہیں ہے ہاں دادا کا نام محمد لکھا گیا ہے، ذہبی کے مطابق صفی الدین ہندی کے نانا کا انتقال ۶۶۰ھ میں ہوا، اس وقت شیخ صفی الدین کی عمر ۱۶/سال رہی ہوگی۔

(۱) ابن سبعین: ہندوستان سے نکلنے کے بعد وہ یمن ہوتے ہوئے حج کے مقصد سے مکہ مکرمہ پہونچے یا براہ راست مکہ مکرمہ گئے اور وہاں چند ماہ قیام کرنے کے بعد یمن کا رخ کیا، دونوں طرح کی

روایتیں موجود ہیں، ان کے تذکرہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ حج کے بعد تین مہینہ ان کا مکہ مکرمہ میں قیام رہا اور قیام مکہ کے زمانہ میں انہوں نے شیخ قطب الدین عبدالحق بن ابراہیم بن محمد مرثی صوفی سے علوم عقلیہ میں استفادہ کیا جو ابن سبعین کے لقب سے مشہور تھے۔

ابن سبعین کی پیدائش ۶۱۴ھ میں ہوئی، یہ تارک دنیا فلاسفہ میں سے تھے اور وحدۃ الوجود کے زبردست قائل اور داعی تھے، ابن کثیر نے ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ علم اوائل اور علم فلسفہ میں مشغول ہوگئے جس کے نتیجہ میں ان کے یہاں ایک قسم کا الحاد پیدا ہوگیا، اس موضوع پر انہوں نے کتاب بھی لکھی، یہ علم کیمیا بھی جانتے تھے اور اس کے ذریعہ امراء اور اغنیاء پر تلبیس کرتے تھے۔

ابن کثیر اور ذہبی نے ابن سبعین کے فاسد افکار ونظریات کا تذکرہ کیا ہے، ابن سبعین کی چند تصنیفات یہ ہیں: (۱) **کتاب الحروف الوضعیۃ فی الصور الفلکیۃ** (۲) **کتاب البدو** (۳) **اسرار الحکمۃ المشرقیۃ** (۴) **مالا بد للعارف منه** وغیرہ، ابن سبعین کی وفات ۶۶۹ھ میں ہوئی، ایک روایت ۶۶۸ھ کی بھی ہے۔

ذہبی، ابن حجر، صفدی، ابن عماد، شوکانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ شیخ صفی الدین ہندی نے سفر حج میں ابن سبعین سے فلسفہ میں استفادہ کیا۔

(۲) شیخ سراج الدین اُرموی: حجاز ویمن کے بعد صفی الدین ہندی نے بلاد مصر کا رخ کیا، ۶۷۰ھ یا ۶۷۱ھ میں مصر پہونچے، چار سال وہاں قیام کیا، بظاہر ان کا مصر میں قیام بھی طلب علم کے لئے تھا لیکن ان کے حالات میں ان کے مصری اساتذہ وشیوخ کا تذکرہ نہیں ملتا، مصر کے بعد وہ بلاد روم کی طرف منتقل ہوئے، روم کے مختلف شہروں میں گیارہ سال گذارے، اس گیارہ سال کی مدت میں انہوں نے کن اساتذہ سے علوم کی تحصیل کی اس کی تفصیل سے کتب تاریخ وتراجم خالی ہیں، ان کے بلاد روم میں قیام کے زمانہ کے صرف ایک استاذ کا تذکرہ مؤرخین نے کیا ہے اور وہ ہیں شیخ سراج الدین محمود بن ابوبکر ارموی آذر بائیجانی دمشقی شافعی۔

شیخ سراج الدین ارموی شیخ صفی الدین کے خاص الخاص اساتذہ میں سے تھے، ان کی پیدائش آذر بائیجان کے شہر ارمیہ میں ۵۹۴ھ میں ہوئی اور وفات قونیہ میں ۶۸۲ھ میں ہوئی، انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر ارمیہ میں حاصل کی، پھر موصل جاکر شیخ کمال الدین موسیٰ بن یونس سے استفادہ کیا جو موسوعۃ

المعارف (علوم کا انسائیکلو پیڈیا) کے لقب سے جانے جاتے تھے، شیخ سراج الدین ارموی نے ایک مدت ان کی خدمت میں گذاری اور ان کے درس سے وابستہ ہو گئے انہوں نے موصل کے دوسرے علماء اور مشائخ سے بھی استفادہ کیا، بہت سے علوم میں انہیں امتیاز حاصل ہوا، وہ منطقی، حکیم، مناظر، اصولی، فقیہ، متکلم، شاعر اور مفسر تھے، ان کی متعدد تصنیفات ہیں، جن میں سے امام رازی کی کتاب المحصول فی اصول الفقہ کا خلاصہ التحصیل کے نام سے زیادہ معروف ہے۔

(۳) شیخ ابوالحسن علی بن احمد السعدی ابن البخاری: شیخ صفی الدین کے اساتذہ میں ایک اہم شخصیت شیخ ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد السعدی المقدسی الصالحی بھی ہیں جو اپنے زمانے کے ممتاز فقیہ ومحدث تھے اور ابن البخاری کے نام سے مشہور ہیں، ان کی پیدائش ۵۹۵ھ میں ہوئی دمشق، بیت المقدس، مصر، اسکندریہ، حمص اور بغداد کا سفر کیا اور ان مقامات کے علماء اور مشائخ سے استفادہ کیا، امام ذہبی اور حافظ ابن تیمیہ وغیرہ نے بڑے بلند الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، ان سے روایت کرنے والوں میں ابن الحاجب، ابن دقیق العید، تقی الدین بن تیمیہ، شیخ صفی الدین ہندی وغیرہ علماء اور اعیان ہیں، ان کی وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی۔

بعض دوسرے اساتذہ:

الدارس فی تاریخ المدارس کے مصنف ابوالمفاخر عبدالقادر بن عمر نعیمی نے شیخ صفی الدین ہندی کے شیوخ میں ابن الفخر الرازی کا بھی تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے حالات دستیاب نہیں ہیں، اسی طرح نعیمی نے شیخ صفی الدین کے شیوخ میں ابن الوکیل اور الفخر المصری کا بھی تذکرہ کیا ہے، جب کہ یہ دونوں حضرات شیخ صفی الدین ہندی کے تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

شیخ صفی الدین ہندی کے تلامذہ

شیخ صفی الدین ہندی کا آخری پڑاؤ دمشق تھا، ۶۸۵ھ میں وہ دمشق تشریف لائے اور ۷۱۵ھ میں اکہتر ۷۱ سال کی عمر میں دمشق میں ان کی وفات ہوئی، ان کا دمشق میں قیام کا زمانہ تقریباً تیس سال پر محیط ہے، دمشق پہونچنے سے پہلے وہ علوم وفنون میں انتہائی بلند مقام حاصل کر چکے تھے خاص طور سے علم کلام اور اصول فقہ میں ان کی مہارت مسلم تھی، علوم عقلیہ میں بھی پوری مہارت حاصل کر چکے تھے اس لئے دمشق میں ان کا قیام درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور علمی افادہ سے معمور تھا، جامعہ اموی میں ان کا حلقۂ درس قائم

ہوا، دمشق کے بڑے نامور مدارس مدرسۂ ظاہریہ، مدرسۂ اتا بکیہ، مدرسہ رواحیہ مدرسہ دولعیہ وغیرہ میں انہوں نے بہت شہرت وعزت کے ساتھ درس کے حلقے قائم کئے اور طالبان علوم کو شاد کام کیا۔

ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہم چند ممتاز شاگردوں کا نام لینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) امام ذہبی: امام ذہبی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، اسلامی علوم کا طالب علم ان کے نام اور کارناموں سے واقف ہے، ان کی کتابیں تذکرۃ الحفاظ، تاریخ الاسلام، سیر أعلام النبلاء وغیرہ انہیں زندہ جاوید بنانے کے لئے کافی ہیں، متعدد تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ امام ذہبی نے شیخ صفی الدین ہندی سے روایت کی ہے اس طرح وہ صفی الدین ہندی کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہیں، تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ ذہبی نے ان سے روایت کی ہے۔

(۲) حافظ ابن قیم الجوزیۃ: صلاح الدین صفدی نے الوافی بالوفیات میں اور ابن حجر نے الدرر الکامنۃ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ حافظ ابن قیم شیخ صفی الدین ہندی کے شاگردوں میں ہیں، انہوں نے علم کلام اور اصول فقہ کی کئی کتابیں شیخ صفی الدین سے پڑھی ہیں، ابن حجر نے ابن قیم کے حالات میں لکھا ہے ''قرأ فی الأصول علی الصفی الهندي'' اور صلاح الدین صفدی نے ابن قیم کے حالات میں لکھا ہے ''وأما الأصول فأخذها عن جماعة، منهم الشيخ صفی الدين الهندی'' دو سطر کے بعد لکھتے ہیں ''وقرأ فی أصول الدين علی الشيخ صفی الدين الهندی أکثر الأربعين والمحصل'' (الوافی بالوفیات جزء ۲، ص: ۲۷۱)

(۳) کمال الدین ابن الزملکانی: ابن الزملکانی اپنے دور کے ممتاز ترین علماء میں تھے دمشق کے گاؤں زملکان میں ان کی پیدائش ۶۶۶ھ یا ۶۶۷ھ میں ہوئی، بڑے باکمال اساتذہ سے علم حاصل کیا، اصول فقہ اور علم کلام میں شیخ صفی الدین ہندی کے شاگرد ہیں، ابن تیمیہ سے مناظرہ کرنے والوں میں ان کا نام بھی نمایاں طور پر آتا ہے، تین طلاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کے مسئلہ میں انہوں نے حافظ ابن تیمیہ کے موقف کی تردید میں ایک کتاب لکھی، حافظ ابن کثیرؒ نے بڑے بلند الفاظ میں البدایۃ والنہایۃ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، رمضان ۷۲۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۴) ابن الوکیل: علامہ ابو عبداللہ محمد ابن الشیخ زین الدین عمر بن المکی الأموی المصری الشافعی جو

ابن المرحل اور ابن الوکیل کے نام سے مشہور ہیں، اپنے دور میں شافعیہ کے شیخ تھے، دمیاط میں ۶۶۵ھ میں پیدائش ہوئی، اپنے والد صاحب کے ساتھ دمشق منتقل ہوگئے، وہیں نشوونما ہوئی، حلب میں بھی ایک مدت تک قیام کیا، طبقۂ فقہاء میں ممتاز شاعر تھے، حافظہ عجیب وغریب تھا، المفصل سودن میں یاد کی، مقامات حریری پچاس دن میں اور دیوان متنبی ایک جمعہ میں، انہوں نے بھی اصول فقہ اور اصول دین (علم کلام) کی تعلیم شیخ صفی الدین ہندی سے حاصل کی۔

حافظ ابن تیمیہ سے علمی اختلاف رکھتے تھے اور بہت سی مجالس میں ان سے مناظرے کرتے تھے، لیکن دونوں ایک دوسرے کے فضل وکمال کے بھی قائل تھے، ۷۱۶ھ میں قاہرہ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۵) الفخر المصری: علامہ ابوالفضیل محمد بن علی بن علی بن ابراہیم دمشقی شافعی جو الفخر المصری کے نام سے معروف ہیں ان کی پیدائش ۶۹۱ھ یا ۶۹۲ھ میں ہوئی، اپنے والد صاحب کے ساتھ بچپن ہی میں دمشق منتقل ہوئے، ابن الزملکانی کے بڑے گرویدہ تھے، ان کی صحبت میں وہ رہ پڑے، انہوں نے بھی اصول فقہ اور اصول دین شیخ صفی الدین ہندی سے پڑھا قوت حفظ اور ذکاوت میں اللہ کی نشانی تھے، بہت تھوڑے وقت میں بڑی بڑی کتابیں حفظ کر لیتے تھے، ان کا شمار اپنے زمانہ کے اذکیاء میں تھا، وفات ۷۵۱ھ ہوئی، ان کا حلقۂ درس بہت آباد تھا، تیئیس سال کی عمر میں انہیں فتویٰ دینے کی اجازت مل گئی تھی۔

(۶) قاضی کمال الدین: قاضی کمال الدین ابوالقاسم احمد بن محمد شیرازی شافعی دمشقی کی پیدائش ۶۷۰ھ میں ہوئی، حدیث میں کمال پیدا کیا، اپنے زمانہ کے مشائخ سے علم فقہ سیکھا، شیخ صفی الدین ہندی سے علم کلام اور اصول فقہ پڑھا، دمشق کے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، ذہبی اور ابن کثیر نے ان کی تعریف کی ہے، وفات ۷۳۶ھ میں ہوئی۔

شیخ صفی الدین کی تصنیفات

شیخ صفی الدین ہندی ایک بافیض استاذ ہی نہیں تھے بلکہ ایک باکمال مصنف بھی تھے، ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کی تصنیفات اور سلیقۂ تصنیف کا تذکرہ کیا ہے، علامہ تاج الدین سبکی اور تقی الدین بن قاضی شھبہ نے لکھا ہے: ان کی تمام تصنیفات اچھی اور جامع ہیں خاص طور سے النہایۃ۔

شیخ صفی الدین کو امتیازی مہارت علم کلام اور علم اصول فقہ میں تھی، ان کی تصنیفات انہی دو علوم

سے متعلق ہیں، علم کلام میں ان کی دو تصنیفات کا ذکر آتا ہے، (۱) ''الزبدة فی علم الکلام'' (۲) ''الرسالة التسعینیه فی الأصول الدینیة'' پہلی کتاب یعنی الزبدة فی أصول الدین کو ابن السبکی، ابن قاضی شهبه، صاحب مفتاح دار السعادة، ابن العماد حنبلی، حاجی خلیفه، اسماعیل بغدادی اور حضرت مولانا عبدالحی حسنی نے شیخ صفی الدین کی طرف منسوب کیا ہے، یہ کتاب نہ تو طبع ہوئی ہے اور نہ ہی مخطوطات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے، اس لئے اس کتاب کے مشتملات اور مباحث پر روشنی ڈالنا ممکن نہیں ہے۔

علم کلام میں شیخ صفی الدین ہندی کی دوسری تصنیف ''الرسالة التسعینیة فی أصول الدین'' ہے عام طور سے شیخ کے تبصرہ نگاروں نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن اس کتاب کے دو قلمی نسخے دستیاب ہیں، ایک دار الکتب المصریہ کا نسخہ جس کا نمبر عقائد تیمور میں ۱۴۳ ہے، یہ نسخہ محرم ۷۱۳ھ میں لکھا گیا اس کے کاتب عمر بن ابراہیم عمر بن المھذیب واسطی شافعی ہیں، اس نسخہ کا مقابلہ ایک دوسرے نسخہ سے ۸۳۲ھ میں کیا گیا، اس کے اوراق ۱۱۵ ہیں، اس نسخہ پر ملکیت کی متعدد تحریریں ہیں، یہ نسخہ ۱۰۰۵ھ میں محمد بن محمد داؤد مقدسی شافعی کی ملکیت میں رہا ہے، اس نسخہ کے کاتب عمر بن ابراہیم بن عمر واسطی شافعی نے کتاب کے ٹائٹل میں اس کتاب کو شیخ صفی الدین کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں ''**الرسالة التسعینیة فی الأصول الدینیة لشیخنا الإمام العلامة صفی الدین، مفتی المسلمین، قدوة المحدثین، بقیة المجتھدین محمد بن عبدالرحیم بن محمد الأرموی**''۔

دوسرا نسخہ ''دار الکتب التونسیه'' کا ہے، جس کا نمبر المکتبة العبدلیة میں ۹۵۳۳ ہے، اس کی کتابت ۹۸۲ھ میں مکمل ہوئی، اوراق کی تعداد ۱۲۷ ہے، کاتب کا نام ابوالجبر بن الحورانی ہے۔

شیخ صفی الدین ہندی نے یہ کتاب حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور مناظرہ کے بعد لکھی جیسا کہ مصنف نے اس کتاب کے مقدمہ میں صراحت کی ہے، حمد وصلوٰۃ کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسا رسالہ ہے جو اصول دین کے نوے (۹۰) مسائل پر مشتمل ہے، یہ رسالہ میں نے اس وقت لکھا جب میں نے دیکھا کہ اہل سنت والجماعت اور بعض حنابلہ کے درمیان مشہور فتنہ پیش آنے کے بعد ملک شام کے طلبہ اس علم کی تحصیل پر متوجہ ہیں اور میں نے اس کا نام الرسالة التسعیینه فی الأصول الدینیة رکھا۔

شیخ صفی الدین ہندی کی یہ گرانقدر تصنیف اس کی مستحق ہے کہ تحقیق وتعلیق کے بعد اسے زیور طبع سے آراستہ کیا جائے، اس کتاب کی اشاعت علم کلام میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔

اصول فقہ بھی شیخ صفی الدین کی درس وتدریس، تحقیق وتصنیف کا موضوع رہا ہے اور اس فن میں ان

کا مقام امام رازی اور امام غزالی وغیرہ سے کم نہیں ہے، اصول فقہ میں ان کی تین کتابوں کا ذکر آتا ہے (۱) نہایة الوصول فی درایة الأصول (۲) الرسالة السیفیة فی أصول الفقه (۳) الفائق فی أصول الفقه۔

اصول فقہ میں ان کی سب سے مفصل اور محقق کتاب نہایة الوصول فی درایة الأصول ہے جو الحمدللہ تحقیق وتعلیق کے ساتھ آٹھ جلدوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہے، یہ کتاب اصول فقہ میں ایک انسائکلو پیڈیا سے کم نہیں، تمام تذکرہ نگاروں نے اس کتاب کو شیخ کی تصنیفات میں نہایت اہتمام اور اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، تذکرہ نگار عموماً لکھتے ہیں کہ شیخ صفی الدین کی تمام تصنیفات اچھی اور جامع ہیں، خصوصاً النہایۃ، شیخ کے تمام تذکرہ نگاروں نے نھایۃ الوصول کا تذکرہ کیا ہے اور خود شیخ کی دوسری کتاب الفائق نیز الرسالۃ السیفیۃ میں اس کتاب کا تذکرہ اور حوالہ ہے، اس کتاب کی تصنیف میں شیخ صفی الدین اصول فقہ کی تین بڑی شخصیات سے زیادہ متأثر نظر آتے ہیں، انہوں نے امام رازی کے منہج اور شیخ سیف الدین آمدی نیز اپنے استاذ شیخ سراج الدین ارموی کے منہج کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، شیخ صفی الدین پر امام رازی کی چھاپ زیادہ گہری نظر آتی ہے، لیکن شیخ صفی الدین مختلف مقامات پر امام رازی اور علامہ آمدی سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور ان حضرات کے موقف کی قوت کے ساتھ تردید بھی کرتے ہیں، بہرحال انہوں نے اپنی اس کتاب میں رازی اور آمدی کے منہج تصنیف کو جمع کرنے کے ساتھ اپنا ایک نیا منہج قائم کرنے کی بھی کامیاب کوشش کی ہے، کتاب کا اسلوب انتہائی واضح اور روشن ہے، مصنف نے اصول فقہ کے دقیق مباحث کو انتہائی سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس کتاب کے امتیازات اور خصوصیات کو بیان کرنے کے لئے مفصل مقالہ کی ضرورت ہے، یہ مختصر مضمون جس میں شیخ صفی الدین ہندی کی حیات وخدمات کے چند گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس تفصیل کا متحمل نہیں ہے، جامعۃ الامام محمد بن سعود کے دو طلبہ نے ڈاکٹریٹ کے لئے نہایة الوصول فی درایة الأصول کو منتخب کیا اور اس کتاب کی تحقیق پر ان دونوں حضرات کو یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی، وہ دونوں حضرات ہیں ڈاکٹر صالح بن سلیمان الیوسف اور ڈاکٹر سعد بن سالم الشریم، یہ کتاب ان دونوں حضرات کی تحقیق سے المکتبۃ التجاریۃ مکہ مکرمہ سے شائع ہوچکی ہے، اس کتاب پر ان دونوں حضرات کا مقدمہ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اصول فقہ پر شیخ صفی الدین ہندی کی دوسری کتاب الرسالة السیفیه فی أصول الفقه ہے جو نہ تو بہت مفصل ہے اور نہ بہت مختصر، ابن السبکی، ابن قاضی شہبہ، ابن عماد حنبلی، مولانا عبدالحئ حسنی وغیرہ نے اس کتاب کو شیخ صفی الدین ہندی کی طرف منسوب کیا ہے، نھایۃ الوصول کے محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے

کہ مکتبۃ سلیمانیہ استنبول کے ذیلی مکتبہ، مکتبہ جار اللہ آفندی میں موجود کتاب نمبر ۵۶۶ جس کے سرورق پر نهاية الوصول إلى علم الأصول للشيخ صفي الدين الهندي لکھا ہوا ہے، وہ نہایۃ الوصول نہیں بلکہ الرسالۃ السیفیہ فی اصول الفقہ ہے، اسی طرح ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے مکتبہ میں موجود کتاب نمبر ۵۸۱ جو دو جلدوں اور تین اجزاء میں ہے وہ بھی نھایۃ الوصول نہیں، بلکہ الرسالة السيفيه ہے، نھایۃ الوصول کے محققین کا یہ خیال زیادہ تر اس بنیاد پر ہے کہ ان دونوں نسخوں میں جگہ جگہ نھایۃ الوصول کا حوالہ دیا گیا ہے اس لئے ان دونوں نسخوں کو نهاية الوصول قرار دینا مشکل ہے۔

اصول فقہ میں شیخ صفی الدین ہندی کی تیسری کتاب الفائق فی اُصول الفقہ ہے مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں خود یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ چونکہ اصول فقہ میں میری کتاب نہایۃ الوصول فی درایۃ الاصول کافی طویل اور مفصل ہے، طلبہ کے لئے اس کا پڑھنا دشوار ہے اس لئے میں نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام الفائق رکھا، چونکہ یہ کتاب اس فن کے مختصرات سے فائق ہے، اس کتاب کا نام الفائق ہونے پر تو تمام تذکرہ نگار متفق ہیں، لیکن یہ کتاب اصول فقہ میں ہے یا اصول دین میں، اس میں دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں، تاج الدین سبکی، ابن عماد حنبلی، طاش کوبری زادہ، نواب صدیق حسن خان نے الفائق کو شیخ صفی الدین کی اصول فقہ کی تصنیفات میں سے شمار کیا ہے، جب کہ ابن قاضی شھبہ، صفدی، ابن حجر، حاجی خلیفہ، اسماعیل بغدادی اور شوکانی نے الفائق کو اصول دین کی کتابوں میں شمار کیا ہے، لیکن خود اس کتاب کا مقدمہ اس اختلاف کا فیصلہ کر دیتا ہے اور یہ بات طے کر دیتا ہے کہ الفائق اصول فقہ کی کتاب ہے اصول دین کی نہیں، الفائق کے دو نسخے موجود ہیں، ایک نسخہ دار الکتب المصریہ میں، جس کا نمبر اصول فقہ میں ۸۷ ہے اور اس کے اوراق کی تعداد ۲۳۷ ہے، دوسرا نسخہ دار الکتب التونسیۃ کا ہے، یہ نسخہ تیونس کے المکتبۃ العدلیہ میں موجود ہے جو دار الکتب الوطینہ کے تابع ہے اس کا نمبر ۶۹۳۶ ہے، اوراق کی تعداد ۱۸۳ ہے، ڈاکٹر علی العمیرینی نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے اور یہ کتاب بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

شیخ صفی الدین ہندی کی تمام تصانیف اپنے موضوع پر بہت تحقیقی اور جامع ہیں، زبان و بیان اور تعبیرات کے اعتبار سے بھی معیاری ہیں، اس بات کی ضرورت ہے کہ مخطوطات کی دنیا میں شیخ صفی الدین کی کتابوں کی جستجو جاری رکھی جائے، ان کی تصنیفات کو تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کرایا جائے نیز ان کی تصنیفات کا مختلف پہلوؤں سے مطالعہ کر کے ان کے علمی نظریات اور نادر تحقیقات سے دنیا کو روشناس کرایا جائے۔

جاری۔۔۔۔۔۔

خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

علماء ہند کی حدیثی خدمات میں ایک وقیع اور خوب صورت اضافہ

آفتاب نبوت کی کرنیں عہد نبوت ہی میں سرزمین ہند پر پڑنے لگی تھیں، اور پھر دیارِ عرب سے عہد فاروقی میں مسلمان پیامِ توحید لے کر سندھ کی سرزمین میں آنے لگے تھے، اِن آنے والوں میں حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ اور حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفیؓ بھی تھے، جنھیں اُن کے بھائی اور حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر کردہ بحرین وعمان کے حاکم حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ نے تھانہ وبھروچ اور دیبل کی مہم کے لئے روانہ کیا تھا—— اور علامہ ابن حزم کا کہنا تو یہ ہے کہ خود حضرت عثمان ثقفی بھی اِن تینوں مقامات پر تشریف لائے تھے —— پھر حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) کے دور میں بھی ہندوستان کی طرف مرکزِ خلافت کی توجہ رہی۔ اسی وجہ سے حافظ ابن کثیرؒ نے صاف لکھا ہے کہ:

کان الصحابة فی زمن عمر وعثمان فتحوا أوائل بلاد الهند[1]

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں صحابۂ کرام نے ہندوستان کے ابتدائی علاقوں کو فتح کرلیا تھا۔

جب صحابۂ کرام کی آمد ثابت ہے تو تابعین اور اَتباع تابعین کی تو خاصی تعداد ہندوستان آئی ہوگی، اور پھر ان میں ایسے بھی ہوں گے جو یہیں کی خاک میں مدفون ہوئے ہوں گے۔

حافظ ابن کثیرؒ محمد بن قاسم اور خلفاء بنی امیہ کی بھیجی ہوئی افواج کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکان فی عساکرهم وجیوشهم فی الغزو الصالحون والأولیاء والعلماء من کبار التابعین من کل

---

[1] البدایة والنهایة، ص۸۷، ج۱.

جیش منهم شر ذمة عظیمة ینصر الله بها دینه ۔ ۱؎ (کبار تابعین میں سے صلحاء و اولیاء اور علماء کی ایک بڑی جماعت ان میں سے ہر فوج میں رہتی تھی اور ان کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ نصیب فرماتا تھا۔)

جن اکابر تابعین اور اتباع تابعین کا ہندوستان میں آنا ثابت ہے ان میں حضرت انس بن مالک کے چچازاد بھائی حضرت سعد بن ہشام انصاری، حضرت ربیع بن صبیح سعدی، حضرت اسرائیل بن موسی بصری کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ——

یہ ان ہی حضرات کی برکت تھی کہ ہندوستان کے یہ علاقے شروع ہی میں علوم اسلامیہ خصوصاً علم حدیث سے منور ہو گئے —— چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں جب بیت المقدس سے آنے والا ایک عرب سیاح ابوالقاسم مقدسی ہندوستان آیا تو اس نے پورے اقلیم سندھ میں علم حدیث کی زبردست اشاعت کا منظر دیکھا اور بڑے تأثر بھرے انداز میں بیان کیا۔

پھر بلاد ہند و سندھ کے اصلی باشندوں میں بھی اسی دور میں بڑے بڑے علماء حدیث پیدا ہوئے، جن میں سے بعض کو تابعی اور بعض کو تبع تابعی ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ نیز دنیائے اسلام کے بعض عظیم علمائے حدیث بھی چوتھی اور پانچویں صدی میں ہندوستان آئے۔ اور یہاں سے کسب علم بھی کیا، اور یہاں کے طالبین علم کو اپنے علوم سے فیض یاب بھی کیا۔

مثال کے طول پر چوتھی صدی ہجری کے اندلس کے مشہور محدث ابوبکر محمد بن معاویہ بن عبدالرحمٰن اندلسی مروزی قرطبی، (م ۳۵۸ھ) سجستان کے بڑے عالم و محدث ابواحمد خلف بن احمد بن خلف بن لیث فرقد سجزی (م ۳۹۹ھ)، عظیم مفسر و محدث اور مصلح و مربی شیخ ابوعثمان صابونی (م ۴۴۹ھ)، نیشاپور کے عظیم محدث حافظ ابوالحسن نیشاپوری اور چھٹی صدی کے اندلسی محدث ابوالحسن سعد انصاری (م ۵۴۱ھ)، یہ وہ حضرات ہیں جن کی ہندوستان آمد طلبِ علمِ حدیث کے لئے بھی ہوئی تھی، اور اِن سے یہاں کے مشتاقان علوم نبوت کو فیض بھی پہونچا۔

ایک طرف ہندوستان کے متعدد علاقوں میں علوم حدیث رائج رہے، دوسری طرف درّۂ خیبر سے آنے والے علماء کے ذریعہ معقولات اور فقہ و اصول کا بھی خوب چرچا ہوا، پھر ایک وقت آیا کہ اس صدی میں جب کہ اسلام کی تجدید و احیاء کا مرکز سرزمین ہند میں منتقل ہونا مقدر کر دیا گیا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کے ذریعہ علوم حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور

۱؎ ایضاً

پھر اس کے بعد حضرت امام ولی اللہ اور ان کی نسبی و علمی اولاد و احفاد کے ذریعہ تو علوم حدیث کی ایسی خدمت ہندوستان میں انجام پائی کہ علمائے عرب کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ اس دور میں علوم حدیث کی سب سے زیادہ خدمت علمائے ہند ہی نے کی۔۔۔۔

ولی اللّٰہی شجرۂ طوبیٰ کی جو شاخیں ملک کے طول و عرض میں پھیلیں، شاید ان میں سے سب سے زیادہ ثمر دار و سدا بہار شاخ وہ ہے جو دیوبند و سہارنپور کی سرزمین میں پھلی پھولی، اِس بابرکت خطے سے جن علمائے حدیث کا فیض پورے عالم میں پھیلا ان کی مختصر سی فہرست بھی خاصی طویل ہوگی۔ اِس مختصر سے مضمون میں راقم کے پیش نظر تو علم حدیث کی ایک تازہ خدمت کا تعارف کرانا ہے جس کا شرف بھی اسی بابرکت خطے سے نسبت رکھنے والے علمائے حدیث کو ملا ہے۔

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حدیث کی سب سے زیادہ معتبر اور متداول کتاب ''صحیح بخاری'' کی سب سے پہلی مرتبہ طباعت کی سعادت اسی ولی اللّٰہی شجرۂ طوبیٰ کی ایک شاخ اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حصے میں آئی تھی، جنھوں نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں پہلی مرتبہ صحیح بخاری کو مطبوعہ شکل میں پیش کیا، (یاد رہے کہ اس سے پہلے صحیح بخاری کے قلمی نسخے ہی متداول تھے) انھوں نے صحیح بخاری کو زیور طباعت سے آراستہ ہی نہیں کیا بلکہ انھوں نے صحیح بخاری پر ایک ایسا تشریحی حاشیہ بھی لکھا جو بڑے بڑے علماء کی نگاہ میں ''دراصل تمام معتبر شروح کا خلاصہ و گویا عطر مجموعہ اور دریا بکوزہ کا مصداق ہے'' چنانچہ صحیح بخاری کی جلد اول ۱۸۵۱ء میں اور دوسری جلد ۱۸۵۳ء میں حضرت سہارنپوری ہی کی کاوشوں سے پہلی مرتبہ مطبوعہ شکل میں طالبان علوم نبوت کے سامنے آئیں۔ یاد رہے کہ مصر میں صحیح بخاری کی طباعت اِس کے دس سال بعد شروع ہوئی—— حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کے علم حدیث سے شغف کا اندازہ اس سے لگایئے کہ انھوں نے اپنے قائم کردہ پریس سے صحیح بخاری کی طباعت سے بھی پہلے سنن ترمذی بھی اپنے تشریحی حواشی کے ساتھ شائع کی تھی، اور صحیح بخاری جلد اول کے سالِ طباعت (۱۲۶۷ھ، ۱۸۵۱ء) ہی میں امام نووی کی شرح کے ساتھ صحیح مسلم بھی شائع کی تھی، اس کے چند سال کے اندر اندر انھوں نے سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ المصابیح (اپنے حواشی کے ساتھ) مؤطا امام مالک، حصن حصین، تقریب التہذیب، رسالۃ الجرجانی، مقدمۂ شیخ عبدالحق اور ارشاد الساری جیسی اہم کتابیں بھی جن کی تعداد چالیس تک پہونچتی ہیں، شائع کیں۔

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کی شخصیت کس قدر بابرکت اور بافیض تھی، اس کا اندازہ اِن تحقیقی واشاعتی خدمات کے علاوہ ان کے عظیم شاگردوں کے اسمائے گرامی پر بھی نظر ڈالنے سے بآسانی ہوسکتا ہے، جن میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، محدثِ زمانہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد امین حسنی نصیر آبادی، حضرت مولانا محمد یعقوب گنگوہی، علامہ شبلی نعمانی، حضرت مولانا محمد علی مونگیری، حضرت مولانا سلامۃ اللہ جیراجپوری، جیسی قدآور شخصیتیں شامل ہیں۔

علم حدیث کی خدمت کا اشتغال رکھنے والے اہل علم اندازہ کرسکتے ہیں کہ صحیح بخاری جیسی کتاب کی پہلی بار طباعت کا کام کس قدر دشوار اور نازک رہا ہوگا، صحیح بخاری کے جو متعدد قلمی نسخے علماء کے درمیان متداول تھے، ان میں سے سب سے زیادہ معتبر نسخوں کا انتخاب اور ان کے ایک ایک لفظ پر تحقیقی وتقابلی نگاہ ڈالنے کے لئے کس قدر گہرے علم، اور کتنی طویل اور سخت جدوجہد درکار ہوئی ہوگی —— پوری دنیائے اسلام کے علمائے حدیث اِس بات کے معترف ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحیح بخاری کا جو نسخہ دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیا وہ سب نسخوں میں سب سے زیادہ مستند اور معتبر نسخہ ہے، اِس لئے کہ اُن کے پیش نظر دو نسخے تھے، ایک تو ساتویں صدی ہجری کے عظیم محدث امام صغانی کا نسخہ تھا، جو علمائے حدیث کے نزدیک صحیح بخاری کا معتبر ترین نسخہ مانا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ اس نسخہ کے مطابق تھا جسے امام بخاری کے ایک شاگرد محدث فربریؒ کی توثیق حاصل تھی، دوسرا نسخہ جو حضرت سہارنپوری کے پیش نظر تھا، وہ ان کے استاذ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کا نسخہ تھا، جو دراصل ان کے نانا حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کے نسخہ کی نقل تھا، اور حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کا نسخہ دراصل ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی والا نسخہ تھا، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بارہویں صدی ہجری کے عظیم محدث عبد اللہ بن سالم بصری کے نسخہ کی نقل تھا، جنھوں نے اپنی زندگی کے بیس سال اسی جدوجہد میں لگائے تھے کہ آٹھویں صدی ہجری کے امام علامہ شرف الدین ابو الحسن علی یونینی کے نسخہ سے جو متفقہ طور پر سب سے زیادہ معتبر نسخہ مانا جاتا تھا، تقابل کرکے ایک ایک لفظ کی تحقیق وتدقیق کے بعد اپنا نسخہ تیار کریں —— یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ صرف ایک واسطہ سے شیخ سالم بن عبد اللہ بصری سے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، اس لئے کہ حضرت شاہ صاحب کے اساتذہ میں شیخ محمد افضل سیالکوٹی اور شیخ ابو طاہر کردی کے اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں اور یہ دونوں شیخ سالم بن عبد اللہ بصری کے ممتاز تلامذہ میں تھے، نیز شیخ سالم بصری کے ایک صاحبزادے

سے بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کو تلمذ کی نسبت حاصل تھی۔

بہرحال صحیح بخاری کے یہ دونوں مستند ترین نسخے تھے جن کو حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے معیار بنا کر اپنا نسخہ تیار کیا، اور پھر دیگر نسخوں سے بھی تقابل کیا، اور نہایت جلیل القدر تحقیقی وتشریحی خدمات سے آراستہ کر کے حدیث کی اس اہم ترین کتاب کو دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیا۔ فجزاہ اللہ أحسن ما یجزی بہ عبادہ الصالحین۔

صحیح بخاری کا یہی نسخہ ایک نئے قالب میں:

صحیح بخاری کا یہ نسخہ اب تک اسی قدیم طرز پر چھپ رہا تھا، جو ہمارے دیارِ ہند میں رائج تھا، وہی پرانا رسم الخط، لیتھو طباعت، بین السطور اشارات، فارسی رسم الخط میں حواشی کا سلسلہ ہر صفحے میں تین طرف پھیلا ہوا، ہمارے قدیم علماء تو اِس قسم کی کتابوں سے استفادہ کے عادی تھے، مگر نئی نسل کے علماء کے لئے استفادہ مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا تھا، عالم عرب کے علماء کے لئے تو استفادہ اور زیادہ دشوار تھا، ضرورت تھی کہ اس عظیم کتاب کو نئے اور حسین قالب میں پیش کیا جائے —— اور یہ سعادت حصے میں آئی ہمارے ملک کے ممتاز عالمِ حدیث حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری (مدظلہ) کے، انھوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، اور سالہا سال کی شبانہ روز کی محنت کے بعد، انتہائی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کر کے پورے عالم اسلام کے طالبانِ علوم نبوت کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری نے نہ صرف یہ کہ اس کتاب کے قالب کی تجدید وتحسین کی، بلکہ انھوں نے متعدد پہلوؤں سے بیش بہا قیمتی خدمات کا اضافہ بھی کیا، مثلاً:

۱۔ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے اپنے نسخہ کی تیاری اور حواشی میں جن مآخذ سے رجوع کیا تھا، فاضل محقق نے ان مآخذ سے براہ راست رجوع کر کے تقابل کیا، اور جہاں جہاں بعد میں ہندوستان کے مختلف ناشرین کے طبع کردہ ایڈیشنوں میں غلطیاں ہوئی تھیں، ان غلطیوں کی بھی نشاندہی کی، اور اس سلسلہ میں انھوں نے ایک اور ہندوستانی عالم حدیث حضرت مولانا عبد الجبار اعظمی (تلمیذ رشید محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ) کی تصنیف "التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات" سے بھرپور استفادہ کیا اور اپنے مقدمہ میں اس کا ذکر بھی کیا۔

۲۔ حضرت سہارنپوری والے نسخہ کا دوسرے نسخوں کے ساتھ تقابل کیا، بالخصوص عثمانی خلیفہ سلطان

عبدالحمید ثانی کے علم سے تیار ہونے والے اُس نسخۂ سلطانیہ کو بڑے اہتمام سے ساتھ پیش نظر رکھا، جس کی تحقیق وتدقیق ۱۶ علمائے ازہر نے متعدد قدیم نسخوں کو سامنے رکھ کر کی تھی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن سالم بصری اور امام صغانی کے اصل قلمی نسخوں سے بھی فاضل محقق نے براہ راست تقابل کیا۔

۳۔ اصل عبارت کو کہیں درست کرنے کی یا اس پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت پڑی تو اس کے لئے بھی انھوں نے بے شمار شروح اور متعلقہ کتابوں سے رجوع کیا اور ان کے حوالے دئے۔

۴۔ ہر حدیث کے لئے اس کا بھی اہتمام کیا، کہ حدیث کی دوسری کتابوں میں وہ کہاں پر درج کی گئی ہے اس کی بھی تخریج کردی، نیز امام بخاری نے اسی حدیث کے دوسرے اجزاء (اطراف) اپنی کتاب میں کہاں کہاں پر روایت کئے ہیں، ان کو بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا۔

۵۔ ہندوستان کے دو عظیم علمائے حدیث حضرت مولانا گنگوہی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کے علمی افادات سے خاص طور پر استفادہ کیا۔

یہ تو ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر چند پہلوؤں کی طرف مختصراً اشارہ کردیا گیا ہے، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ اس کتاب کے تفصیلی اور طالب علمانہ مطالعہ کے بعد ہی اس کے تمام محاسن، اور فاضل محقق کی سخت محنت کا اندازہ لگایا جاسکے گا۔

فاضل محقق حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ ہندو پاک ہی نہیں پورے عالم اسلام کے علمی حلقے کے لئے ہرگز محتاج تعارف نہیں، الفرقان کی فائلوں میں ان کے بیسوں علمی مضامین ومقالات محفوظ ہیں، والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا خصوصی اعتماد انھیں شروع سے حاصل تھا، انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تحصیل علم کے بعد برسہا برس حدیث کا درس بھی دیا، گجرات کے مشہور تعلیمی مرکز دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں بھی شیخ الحدیث رہے۔ اور ان کی شاید سب سے بڑی خوش نصیبی یہ رہی کہ انھوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے بھرپور علمی وروحانی اکتساب فیض کیا، اور یہ اسی کی برکت ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی مشہور کتاب ''**بذل المجهود في شرح سنن ابي داؤد**'' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی مایہ ناز تصنیف ''**اوجز المسالك الى موطا الامام مالك**''، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی کی عظیم تصنیف ''**التعليق الممجد على مؤطأ الامام محمد**''، اور ''**ظفر الامانی بشرح مختصر الامام الجرجانیؒ**'' کو خوب صورت اور دیدہ زیب طباعت اور محدثانہ تحقیقی کاوشوں سے مزین کرکے وہ بہت پہلے عالم اسلام کو پیش کرچکے ہیں ——

مولانا کی یہ خصوصیت تو خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ انھوں نے جامعۃ الازہر سے علم حدیث میں ڈاکٹریٹ بھی کیا ہے، اور اب تو غالباً ۳۰ سال سے بھی زیادہ سے عرصہ سے امارت عربیہ متحدہ کی یونیورسٹیوں میں علم حدیث کے سب سے بڑے معلم اور استاذ الاساتذہ بلکہ مرجع کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ نہ جانے کتنے عرب فضلاء ان کے شاگرد بن کر نکل چکے ہیں، اور علمی حلقوں کے علاوہ وہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی ان کے احترام کی خبریں سننے کو ملتی رہتی ہیں، مگر — بایں ہمہ — وہ ہمیشہ ندوے سے لے کر سہارنپور و دیوبند تک اپنے اساتذہ ومشائخ سے نیاز مندانہ تعلق ہی کو اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھتے رہے۔ ان ہی کے احسانات کا ہر مجلس میں دم بھرتے رہے، اور اس شعر کا مصداق بنے رہے کہ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اور جب اتنا ذکر آ گیا ہے تو یہ بھی عرض کر دینے کے لئے راقم اپنے کو بے اختیار پاتا ہے کہ علم و تصنیف کے میدان میں اس قدر بلند مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ابتدائے زندگی ہی سے اپنے من کی دنیا میں سوز و مستی اور جذب وشوق پیدا کرنے کے لئے اور علم کے ساتھ عشق کے حصول کے لئے بھی اللہ والوں کی بارگاہ میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے رہے، سہارنپور سے انھیں جو کچھ ملا وہ کیا کم تھا، مگر وہ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب برتا بگڈھیؒ کی دوکانِ معرفت سے دوائے دل لینے والوں میں بھی شامل ہوئے، یہاں تک کہ ان کی طرف سے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کئے گئے —— اور اب گذشتہ چند سال سے برکۃ العصر حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی بھی خاص الخاص توجہ اور محبت انھیں حاصل ہے —— دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کی حیات میں برکت نصیب فرمائے، اور ان کی اولاد واحفاد اور تلامذہ اور قدردانوں کو ان کی خوبیوں کا وارث بنائے۔ نیز ان کی تمام خدمات کو اور خاص کر اس تازہ ترین خدمت کو قبولیت کاملہ عطا فرمائے۔

یہ ناچیز راقم سطور محدث ہند حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ کی خدمت میں علم حدیث نبوی کی اس تازہ اور جلیل القدر خدمت پر تہِ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور یہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کرتا ہے کہ:

مؤذن مرحبا بروقت بولا — تیری آواز مکّے اور مدینے

☆☆☆